Kuj mainu maran da shoq

by kcs

کچھ مینوں مرن دا شوق وی سی

ریحانہ آفتاب

"جتنی عمر گزری ان بیتے دنوں نے یہی پیغام دیا کہ یہ زندگی ہمیں ہمیشہ ہی بے سکون رکھے گی' کچھ کھونے کا ملال ہمارے وجود سے چپکا رہے گا۔ پورے چاند کو دیکھ کر اپنی ادھوری خواہشیں یاد آئیں گی اور ادھورے چاند کو دیکھ کر پورا دکھ یاد آئیں گے۔ کیونکہ اس دنیا میں ہم خوشیاں منانے کے لیے نہیں بھیجے گئے' ہم یہاں امتحان دینے کے لیے آئے ہیں' ادھورے پن کے ساتھ بے سکونی لیے ایک دن رخصت ہو جائیں گے۔"

دریچے سے لگی وہ دھند میں [illegible] صبح کو نمودار ہوتے دیکھ رہی تھی۔ سورج کی [illegible] زمین سے بہت دور تھیں۔ دور حد نگاہ تک کہر نے زمین کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تک کہر اور زمین کا سنگم دیکھتی رہی۔ ایک اس منظر کے لیے وہ نماز فجر کے بعد دریچے سے آ لگی تھی۔ زمین جب کہر کے حصار سے آزاد ہوتی تو وہ بھی ہٹ جاتی۔ اس نے اچٹتی نگاہ نیم اندھیرے کمرے پہ ڈال۔ تین ماہ کا سمیر چھوٹے سے کمبل میں دبکا ہوا تھا۔ اس کا جی چاہا قریب جا کر اسے خود میں بھینچ لے مگر وہ بہت نازک مزاج تھا۔ نیند میں خلل ذرا برداشت نہیں تھا اگر کوئی یہ جرم کر بیٹھتا تو وہ رو رو کر اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتا۔ جب تک مجرم کان پکڑ کر ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی نہ مانگے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی نیلی آنکھوں سے اپنے مجرم کو دیکھتا اور پھر مسکرا کر قلقاریاں مارتا جیسے اس کی ہار کا جشن منا رہا ہو۔ وہ بالکل اپنے باپ کا پرتو تھا۔ اس کی نظر پلٹے سے تھوڑا آگے گئی۔ بیڈ کے کونے میں وہ سو رہا تھا۔ اس کی چوڑی پشت اس کے سامنے تھی۔ اس کی نظر ایک لمحے کے لیے اس کے لمبے چوڑے وجود پہ رک سی گئی۔ وہ باخبر تھا۔ وہ روز دریچہ کھول کر گھنٹوں کھڑی ہوتی ہے۔ روشنی کی ایک کرن بھی اسے آنکھ کھولنے پہ مجبور کر دیتی تھی۔ جس سے بچنے کے لیے اس نے چھوٹا کشن استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت بھی کشن منہ پر رکھ کر اس نے ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا۔ کشن کی جھلک نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

"آج بھی یہ شخص ویسا ہے' کہہ دے کہ دریچہ نہ کھولا کرو روشنی چبھتی ہے مگر نہ جی شان گھٹتی ہے یہ سب کہتے۔" اب اس نے کروٹ بدل لی تھی۔ دایاں ہاتھ بیٹے کے اوپر نرمی سے رکھا تھا۔ کشن ہنوز منہ پر تھا۔

□......□......□

"ملکانی...... تیرے [illegible] ہیں بھئی...... تم لوگ ہی ہو جو زندگی کو رج کے انجوائے کر رہے ہو۔" کنیز نے بادام پستے کے جار اس کے سامان میں سے نکالتے رشک بھرے انداز سے کہا۔

"ایک ہم ہیں نام کے بھی کنیز اور لگتا ہے ساری زندگی کنیز کی طرح سب کی جی حضوری میں ہی نکل جائے گی۔"

المیر اسر سے چادر اتار کر اب کرسی پہ پھیلا رہی تھی تاکہ پسینہ خشک ہو سکے۔ کنیز نے کاجو مٹھی بھر کر منہ میں رکھے جس کی وجہ سے کچھ پل خاموشی سے گزر گئے۔ المیر ا اپنا بیگ سائیڈ پر رکھا۔ ہمیشہ کی طرح ملکانی نصرت خانم نے جانے کیا الا بلا اس کے بیگ میں بھر دیا تھا کہ وہ گھسیٹنے میں ہی ہلکان ہو گئی تھی۔

"کیا کچھ بھر لائیں؟" کنیز کا منہ خالی ہوا تو آواز نکلی۔

"پتا نہیں' بی بی جان نے کیا کیا بھر دیا' میں نے دیکھا نہیں' ہاں تمہارے لیے سوٹ بھیجا ہے' رکھتے ہوئے بتا رہی تھیں تو میں نے دیکھا۔" وہ بیڈ پہ گر سی گئی۔

"دکھاؤ...... دکھاؤ۔" کنیز سوٹ کا سنتے ہی

پُر جوش ہوگئی۔

''خود دیکھ لو۔'' بیزاری سے کہتے کتاب اٹھا کر چہرے کے آگے کرلی۔ کنیز نے ایک نظر اسے دیکھا اور اگلے پل اس نے بیگ کی طرف چھلانگ لگادی۔ وہ کئی سالوں سے ہاسٹل میٹ تھیں اب تک بہت اچھی طرح ایک دوسرے سے واقف ہوچکی تھیں۔

''واؤ کتنا پیارا سوٹ ہے۔'' کنیز خود سے لگا کر دیکھنے لگی۔

''بی بی جان کو میری طرف سے شکریہ کہہ دینا اگلی بار جاؤ تو.....'' کنیز کچھ زیادہ خوش نظر آرہی تھی۔

''فون آئے تو خود کہہ دینا۔'' کتاب کے پیچھے سے پھر بے زاری کا اظہار ہوا۔ کنیز سر جھٹک کر بیگ میں موجود چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔

''کاش میں بھی کسی وڈیرے' جاگیردار کے گھر پیدا ہوتی تو میرے بھی کتنی ٹور ہوتی۔ کالج کی لڑکیوں کو جب پتا چلتا ہے کہ تم کسی بڑے جاگیردار ملک رب نواز کی کڑی ہو تو سب کی ٹون ہی بدل جاتی ہے اور تم اتنی ہی بیزار نظر آتی ہو۔'' کنیز نے اب کے اس کی خبر لی۔ اس نے سابقہ انداز برقرار رکھا۔

''میں تم سے بات کررہی ہوں۔'' کنیز نے اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹ لی۔

''فضول اور ہر بار کی گھسی پٹی باتوں دہرانے میرا موڈ ہے' نہ ارادہ۔'' اس نے کتاب واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر اس نے ہاتھ پیچھے کرلیا۔

''کیوں ناشکری لڑکی؟'' وہ گھورنے لگی۔

''دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ کم آمدنی ہے مگر اتنی بے سکونی نہیں ہوگی جتنی وڈیروں' جاگیرداروں کی زندگی میں ہوتی ہے۔ اس کو مارنے' اس کو کاٹنے' اس کی دولت' اس کی عورت' میں انہی کے گردان کی سوچ گردش کرتی ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولتی اٹھ بیٹھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے پورے لاہور میں کوئی اچھا میڈیکل کالج یا ہاسٹل نہیں ہے؟..... لیکن جب میں نے میڈیکل پڑھنے کی بات کی تو اکلوتی اور خاندان کی واحد لڑکی ہونے کا اعزاز رکھنے والی کو بابا جان نے کراچی جا کر پڑھنے کی شرط پہ اجازت دی۔ کراچی یا لاہور مجھے کالج سے کیا فرق پڑتا تھا۔ سو میں نے ہامی بھر لی لیکن سچ یہ ہے کنیز بی بی کہ میرے جاگیردار بابا جان نے اپنے دشمنوں کے ڈر سے مجھے اتنی دور کالج میں داخلہ دلوایا ہے' میرے بابا جان' بی بی جان' بھرا' بھرجائی' کے علاوہ آج تک یہ بات کسی کو نہیں پتا کہ میں کراچی کے ہاسٹل میں رہتی ہوں' آئی سمجھ.....؟'' کتاب اس کے ہاتھ سے چھین کر اس نے دوبارہ منہ کے آگے کرلی۔

کنیز نے الیمر اکے تلخ لہجے اور انداز کو پہلے سے زیادہ شدت سے محسوس کیا۔ پہلے بھی وہ وڈیروں' جاگیرداروں کے خلاف بولتی تھی لیکن اب تو اور زیادہ تلخی آگئی تھی اس کے لہجے میں' الیمر افرسٹریٹڈ ہوگئی تھی۔ بی بی جان کے اصرار پہ وہ محرم کی چھٹیوں میں حویلی گئی تھی مگر حویلی میں پھیلی ٹینشن اس سے چھپی نہ رہ سکی۔ اس کے دونوں بھرا رات رات بھر یا تو علاقے میں گشت کرتے تھے یا حویلی کے مردانے میں چوکس بیٹھے حقہ گڑگڑاتے تھے۔ پوچھنے پہ بھی کسی نے اصل بات نہ بتائی۔

''چوہدری ولی قاسم نے ہمارے دو گھوڑے مار دیے ہیں۔ اسی لیے تیرے دونوں بھرا ٹینشن میں ہیں۔'' کشمالہ نے بتایا تو وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

''گھوڑوں کے لیے اتنا ہنگامہ؟'' وہ حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''گھوڑے اعلیٰ نسل کے اور گھر کے پلے ہوئے تھے۔ تیرے بھرا کی جان تھی اس میں..... ملازم انہیں گھمانے لے گیا تھا' چوہدری ولی قاسم کہیں شکار کررہا تھا۔ گولی کی آواز سے گھوڑے بدک کر چوہدری ولی قاسم کے علاقے میں چلے گئے پھر کیا تھا دونوں گھوڑوں کی لاشیں ملیں۔'' کشمالہ تفصیل گوش گزار کررہی تھی۔

''تجھے تو پتا ہے یہ گھوڑوں کا تو بہانہ ہے' اصل میں تو پشتوں کی دشمنی نبھا رہے ہیں۔'' کشمالہ کہہ رہی تھی

...یہ سننے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اس کے دونوں بھرا ملک ...ماہوں اور ملک جعفر، ہم یہ کردیں گے، ہم وہ کردیں گے کی ...ایاں مارنے لگے تو اس نے کمرے میں بند ہوجانا ہی مناسب سمجھا۔ وہ بے شک ان میں سے تھی ان کے خاندان کی اکلوتی لڑکی، مگر اس کا مزاج بالکل الگ تھا، وہ رنگ، خوشبو، تتلی، شاعری کی باتیں کرنے والی تھی۔ خون خرابا، شور ہنگامہ، گولیوں کی گھن گرج، رائفلوں کی بہتات اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ چھٹی ختم ہونے پہ اس نے سکون کا سانس لیا اور واپس لوٹ آئی تھی۔ وہ میڈیکل کے آخری سال میں تھی۔ کچھ اس کا مزاج الگ تھا اور کچھ سالوں سے کراچی میں رہ کر وہ حویلی وڈیروں اور جاگیرداروں سے مزید برگشتہ ہوگئی تھی۔

□......□......□

"ملک ہمایوں کو بڑی گہری چوٹ پہنچائی تو نے؟" چوہدری سجاول، چوہدری ولی قاسم کی پیٹھ تھپکتا اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ چوہدری ولی قاسم ہنسنے لگا۔

"بڑے دنوں سے سوچ رہا تھا ایسا کیا کروں کہ دشمنوں کی نیند حرام ہوجائے اور جب موقع ملا تو میں نے اسے گنوایا نہیں۔" خوشی ولی قاسم کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔

"سنا ہے ملک ہمایوں کو ان گھوڑوں سے عشق تھا۔" سجاول کے اطلاع دینے پہ وہ اور کھل کے مسکرایا۔

"خوب صورت تو بلا کے تھے۔ اگلے چند ماہ وہ صدمے میں رہے گا۔" چوہدری ولی قاسم نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" چوہدری سجاول بھی ہنسا۔

"پچھلی بار ہمارے کھیتوں پہ پانی چھوڑ کر ساری فصلیں تباہ کردی تھیں ملک رب نواز اور اس کے بیٹوں نے۔ انہیں لگا تھا چوہدری اپنے نقصان پہ چپ کرکے بیٹھ جائیں گے۔ انہیں خبر نہیں کہ چوہدری گردن کٹوا سکتا ہے دشمن کو خوشی مناتے نہیں دیکھ سکتا۔" چوہدری ولی قاسم زعم سے کہہ بولا۔

"شاباش پتر...... تو نے چوہدری خداداد کا نام نیچے ہونے سے بچالیا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔" وہائٹ کلف لگے سوٹ میں شال لیے چوہدری خداداد داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے دو تین آدمی اور بھی تھے۔ وہ دروازے پہ ہی رک گئے۔ انہوں نے ولی قاسم کی پیٹھ ٹھونک کر مونچھوں کو تاؤ دیا۔ چوہدری ولی قاسم پھولے نہیں سمارہا تھا۔ اس نے کام بھی تو دشمن کو چوٹ پہنچانے کا کیا تھا۔ جوان کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔

"بابا سائیں...... میں ذرا ڈیرے پہ جارہا ہوں۔ کچھ یار دوست آنے والے ہیں۔" چوہدری سجاول شال جھٹک کر کھڑا ہوا۔

"ذرا دھیان رکھنا دشمن وار کے لیے بوکھلا رہا ہوگا۔" چوہدری خداداد نے سمجھایا۔

"ان میں اتنا دم کہاں بابا سائیں کہ وہ ہمارے علاقے میں داخل ہونے کا سوچیں بھی۔" چوہدری سجاول گھمنڈ سے بولا۔

"جس دن یہ حرکت کی بوٹیاں نہیں ملیں گی۔" چوہدری ولی قاسم نے بھی غبار نکالنا ضروری سمجھا۔

"او مجھے پتا ہے تم لوگ شیر کے بچے ہو۔" چوہدری خداداد کا سینہ فخر سے چوڑا ہوگیا۔

"چل چھوٹے اب تو پھر نہ کچھ کریو...... بہت گرمی ہے تیرے اندر۔" چوہدری سجاول اسے تنبیہہ کرتا نکل گیا۔

"یہ عائز کہاں ہے، اس بار چھٹیوں پہ بھی نہیں آیا؟" چوہدری خداداد کو سب سے چھوٹے بیٹے کی کمی محسوس ہونے لگی۔

"اس کا دل کہاں لگتا ہے یہاں...... لگا ہوگا گٹ پٹ کرنے میں۔" چوہدری ولی قاسم نے بے زاری سے کہا۔

انہوں نے سر ہلایا۔ عائز عایان سب سے چھوٹا اور لاڈلا تھا مگر اس کا مزاج بہت الگ تھا۔

"تُو، تو شکار کے لیے جارہا تھا۔ ملک ہمایوں کے گھوڑے کہاں سے شکار کرلیے۔ پوری تفصیل بتا۔" چوہدری خداداد پوری کہانی ایک بار پھر سننے کے موڈ میں تھے۔ چوہدری ولی قاسم انہیں اپنا کارنامہ سنانے لگا۔ چوہدری خداداد کے چہرے کی چمک بڑھ گئی تھی۔

□.....□.....□

حویلی کا پھاٹک کھلا تھا۔ کھٹا کھٹ جیپ کے دروازے کھلے اور بند ہوئے۔ ایک شور سا گونجا اور جیپیں ایک کے پیچھے دوسری اور دوسرے کے پیچھے تیسری پھاٹک سے نکل گئی۔ ملکانی نصرت خانم تیزی سے نکلیں مگر تب تک جیپیں نکل چکی تھیں۔ چوکیدار پھاٹک بند کررہا تھا۔

''رضیہ.....'' نصرت خانم نے پوری قوت سے آواز دی۔ رضیہ دوڑی چلی آئی۔

''جی بی بی جان۔'' وہ مؤدب کھڑی تھی۔

''کہاں گئی ہیں جیپیں؟ جاکے دیکھ ملک ہمایوں اور ملک جعفر ہیں مردانے میں۔'' ملکانی نصرت خانم پریشان تھیں۔

''تین جیپیں گئی ہیں بی بی جان' ایک میں ملک ہمایوں اور ان کے گارڈز' دوسری میں ملک جعفر اور ان کے ساتھی تیسری میں حویلی کے گارڈز تھے۔'' رضیہ نے تفصیلی معلومات دی۔ ملکانی نصرت خانم دل پہ ہاتھ رکھ کر رہ گئیں۔

''الٰہی خیر..... کیا کرنے نکلے ہیں یہ لوگ؟'' نصرت خانم جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹ رہی تھیں۔

''معلوم نہیں بی بی جان۔'' رضیہ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''بی بی جان..... وہ لوگ علاقہ غیر گئے ہیں۔'' کشمالہ ہانپتی کانپتی ان تک آئی۔ ملکانی نصرت خانم نے پریشانی سے سر پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''تجھے کس نے بتایا؟'' انہوں نے بہو سے پوچھا۔

''جعفر نے..... وہ پسٹل لوڈ کررہے تھے۔ رائفل اور مشین گن بھی ساتھ لے کر گئے ہیں۔'' کشمالہ کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔

''تو مجھے ان کے نکلنے کے بعد بتا رہی ہے۔'' ملکانی نصرت خانم نے اسے گھورا۔

''میں جعفر کو سمجھاتی رہی' انہوں نے سختی سے کہا تھا آپ کو نہ بتاؤں ورنہ میری خیر نہیں ہوگی۔'' کشمالہ نے مجبوری بتائی۔

''انہیں کچھ ہوا تو پھر تیری بھی خیر نہیں ہوگی۔'' ملکانی نصرت خانم نے کشمالہ کو دھمکی دیتے ہوئے رضیہ کو مخاطب کیا۔ ''جلدی مردانے میں جاکے دیکھ ملک صاحب ہیں تو انہیں پیغام دے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے رضیہ کو دوڑایا اور خود راہداری کے چکر کاٹنے لگیں۔ کشمالہ بے چارگی سے ہاتھ مل رہی تھی۔

□.....□.....□

چوہدری سجاول اور اس کے ساتھی ڈیرے کی طرف جارہے تھے' اردگرد بڑے بڑے درخت رات کے اس پہر ہیبت ناک منظر پیش کررہے تھے' چاند کی عمر کم تھی جس کے باعث ماحول تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ ان کا علاقہ تھا مگر گارڈ بھی چوکس تھے۔

''غلام..... پینے پلانے کا انتظام ہوگیا ہے نا؟'' چوہدری سجاول نے اپنے گن مین سے پوچھا۔ جب کبھی اس کے یار دوست ڈیرے کو رونق بخشنے آتے تھے غلام ہی انتظام کرتا تھا۔

''جی سرکار ہمیشہ کی طرح بہت اعلیٰ انتظام کیا ہے آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔'' غلام نے اچھی سروس کی یقین دہانی کرائی۔

''آج کی رات بہت یادگار ہونی چاہیے غلام ورنہ یا تُو تو انعام کا حق دار ہوگا یا پھر سزا کا۔'' چوہدری نے ہنستے ہوئے کہا' اسی وقت اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ اس کی بیوی زرتاشہ کی کال تھی۔ اس نے منہ بنایا۔

''ہاں بول۔''

''آپ کہاں ہیں؟'' اس کی کانپتی آواز نکلی۔

''اب تجھے ہر بات بتاؤں؟'' وہ برہم ہوا۔

''وہ..... میں اور نرگس آپ کے لیے پریشان تھے۔'' زرتاشہ نے سوکن کا نام لیا۔

''کیوں میں کوئی مرنے والا ہوں۔''

''نہیں وہ آج دیور جی نے دشمن کو نقصان پہنچایا تو.....'' وہ ڈر کے بات مکمل نہ کرپائی۔

''تو کیا میں ڈر کر تم دونوں کے آنچل میں منہ چھپا کر بیٹھ جاؤں اور اب پھر فون کیا تو تم دونوں کی ہڈیاں توڑ دوں

کا" چوہدری سجاول نے بک جھک کے فون بند کردیا۔
اس ایک لمحے کو وہ اردگرد سے غافل ہوا تھا' اچانک تین جیپوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس کے گارڈ بھی چوکنے ہوگئے تھے۔ انہوں نے جیپ کا راستہ پلاننگ سے روکا تھا۔ ڈرائیور گاڑی بھگانے کے بھی قابل نہ رہا تھا کہ سب سے پہلے اسے ٹارگٹ کیا گیا تھا۔ مشین گن کی اندھادھند فائرنگ سے علاقہ گونج اٹھا تھا۔

چوہدری سجاول کی جیپ بے قابو ہوکر درخت سے ٹکرائی تھی۔ چوہدری سجاول کو کندھے پہ گولی لگی تھی۔ اس نے اپنا پسٹل نکالا تھا مگر ہمایوں کی جیپ تیزی سے قریب آئی تھی اور گزرتے ہوئے ہمایوں اور اس کے آدمیوں نے چوہدری سجاول کی کھوپڑی پہ کئی گولیاں داغ دی تھیں۔ چوہدری سجاول کے گارڈز پہلے ہی مرچکے تھے۔ وہ جس تیزی سے آئے تھے اسی تیزی سے اندھیرے میں گم ہوگئے تھے۔ ڈیرے پہ موجود کارندے گولیوں کی آواز سن کر اپنی گن لیے باہر نکلے مگر انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ فضا میں بارود کی مہک تیزی سے پھیل گئی تھی۔

"وہ رہی چوہدری سجاول کی جیپ......" کسی نے آواز لگائی سب جیپ کی طرف دوڑے۔

□......□......□

المیرا صبح کالج جانے کے لیے کپڑے استری کررہی تھی۔

"میرے کپڑے بھی استری کردو۔" کنیز نے اپنے کپڑے اس کے سامنے رکھے۔ المیرا نے گھورا۔

"کل میں تمہارے کردوں گی پلیز۔" کنیز نے لجاجت سے کہا تو وہ مسکرا کر اس کے کپڑے بھی استری کرنے لگی۔

"ایک وڈیرن' جاگیردارنی میرے کپڑے استری کررہی ہے' میں اس وقت بہت عجیب سی خوشی محسوس کررہی ہوں۔" کنیز کے چھیڑنے پہ المیرا نے سامنے پڑا تکیہ اسے دے مارا' وہ ہنسنے لگی۔ دروازے پہ دستک ہوئی تو دونوں چونکیں۔

"اتنی رات کو کسے ہماری یاد آ گئی؟" المیرا نے دروازہ کھولا۔ وارڈن دروازے پہ کھڑی تھی۔

"المیرا...... تمہارے گھر سے کال ہے' آجاؤ۔" وارڈن اطلاع دے کر چلی گئی۔ شاید وہ سوچکی تھی اور اس کی نیند ڈسٹرب ہوئی تھی تب ہی جھنجلائی ہوئی بھی لگ رہی تھی۔

"گھر سے کال...... اس وقت......؟" کنیز نے حیرت کا اظہار کیا۔

"پتا نہیں۔"

"تمہارا فون کیوں بند ہے؟" اس کی آواز سنتے ہی ملکانی نصرت خانم کی تیز آواز سنائی دی۔

"بیٹری ختم ہوگئی تھی۔" اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"ہزار بار کہا ہے فون کی طرف سے لاپروانہ ہوا کرو۔ تمہارا نمبر ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔ بند ملتا ہے تو ہزار وسوسے ستانے لگتے ہیں۔" ملکانی نصرت خانم بہت پریشان لگ رہی تھیں۔

"میں اتنی رات کو ہاسٹل سے کہاں جاؤں گی بی بی جان۔ آپ پریشان نہ ہوا کریں۔" اس نے بات کرتے ہاسٹل کی راہداری پہ نظر ڈالی جہاں سناٹے کا راج تھا۔

"کیسے پریشان نہ ہوں۔ خیر تجھے خبر دینے کے لیے فون کیا تھا...... بہت دھیان سے رہنا...... دو تین دن اپنے کمرے میں ہی رہو...... کالج نہ جاؤ۔"

"کیوں بی بی جان؟" اسے حیرت ہوئی' کل ہی تو وہ گاؤں سے لوٹی تھی تب تو انہوں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔

"تیرے بھائیوں نے چوہدری سجاول کو قتل کردیا ہے۔" نصرت خانم نے دھیمی آواز میں اطلاع دی۔

"کیا......؟" اس نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر خود کو چیخنے سے روکا۔ ریسیور اس کے ہاتھ میں کانپنے لگا تھا۔

"ہاں میں نے یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے' کہ دھیان سے رہنا۔ ایسا کرتی ہوں کچھ گارڈ ہاسٹل بھجوا دیتی ہوں۔" ملکانی نصرت خانم کہہ رہی تھیں اور اس کے کان

سائیں سائیں کررہے تھے۔ تو بالآخر اس کے بھائیوں نے گھوڑوں کے مرنے کا بدلہ لے لیا تھا۔

''میں اس سلسلے میں تمہارے بابا جان سے بات کرکے بتاتی ہوں۔'' ملکانی نصرت خانم کے پیچھے سے خوشی وشادمانی کا شور اٹھنے لگا تھا۔ پھر فضا گولیوں کی گھن گرج سے گونجنے لگی۔ المیرا نے بے ساختہ ریسیور کان سے دور کیا۔ اسے لگا کان کے پردے پھٹ جائیں گے۔ حویلی میں یقیناً اس کے باپ بھائی جشن کی تیاری کررہے تھے۔ اس نے دکھ سے ریسیور رکھ دیا۔ سنسان راہداری سے اسے اچانک خوف آنے لگا تھا۔ اس نے تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کا راستہ طے کیا۔

''کیا ہوا؟'' کنیز استری کا تار سمیٹ رہی تھی۔ اس کی اڑتی رنگت کو اس نے بہت حیرانی سے دیکھا تھا۔

''کیا ہوا المیرا' سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' وہ قریب آئی۔

''میرے بھرا نے اپنے دشمن کا بیٹا قتل کردیا۔ بی بی جان مجھے دھیان سے رہنے کا کہہ رہی تھیں۔'' اس کی آواز باقاعدہ کپکپا رہی تھی۔

''اوہ!.....'' کنیز کو بھی بہت حیرت ہوئی۔ اس نے کپکپاتی المیرا کو بازو سے تھام کر اس کے بیڈ پر بٹھایا' فریج سے بوتل نکال کر ٹھنڈا پانی گلاس میں انڈیل کر اس تک لائی۔

''لو پانی پیو۔'' اس نے گلاس اس کے لبوں سے لگادیا۔ وہ غٹاغٹ پی کر بستر پہ ڈھے سی گئی۔

کنیز نے لائٹ آف کردی تاکہ وہ سکون سے سو سکے مگر اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں نے پہلی بار کنیز کو احساس دلایا کہ وہ کیوں اپنے باپ اور بھائی کے ذکر پہ تلخ ہوجاتی تھی۔ کنیز کو اس سے ہمدردی ہونے لگی تھی۔

□.....□.....□

چوہدری خداداد کی حویلی میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ جس حویلی میں کچھ دیر پہلے تک چوہدری ولی قاسم اپنے وار پہ خوش ہورہا تھا' چوہدری خداداد بیٹے کی میت پہ سینہ کوبی کررہا تھا' اب وہاں بین ہورہے تھے' چوہدری ولی قاسم ہاتھوں سے نکلا جارہا تھا۔ وہ ابھی اور اسی وقت ملک رب نواز کی حویلی پہ ہلہ بولنا چاہ رہا تھا مگر چوہدری خداداد کے اشارے پہ سب نے اسے قابو کرکے رکھا تھا۔ سجاول کی لاش چارپائی پہ پڑی ہوئی تھی۔ سب نے دیکھا کچھ دیر پہلے تک غرور وگھمنڈ سے اپنے قدموں سے جانے والا چار کندھوں پہ آیا تھا۔ پورا جسم چھلنی تھا۔ کھوپڑی پہ کئی گولیاں لگی تھیں' لاش دیکھنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

سجاول کی دونوں بیوہ سوگوار تھیں۔ قدسیہ بانو جواں بیٹے کی موت پہ غش پہ غش کھارہی تھیں۔ اس سارے میں اگر کسی کے حواس سلامت تھے تو وہ رابعہ تھی' اس گھر کی سب سے بڑی بہو اور اس کا ساتھ عائشے گل دے رہی تھی۔

''ارے کسی نے عائز کو اطلاع دی؟'' عائشے گل کا باپ' چوہدری خداداد کا چھوٹا بھائی چوہدری طیب نے کسی سے پوچھا۔ اسی دم شور اٹھا۔

''چھوٹے سرکار شہر سے آگئے ہیں ابھی ان کی گاڑی داخل ہوئی ہے۔'' مرسڈیز پورچ میں لے جانے کی بجائے اس نے باہر ہی روک دی۔ جھٹکے سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر اس نے بلیک چپلوں سے سجا مضبوط قدم زمین پہ رکھا۔ بلیک شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد نمایاں لگ رہا تھا۔ گرے شال پیچھے سے لاکر کاندھوں پہ ڈال رکھی تھی۔ اونچی کھڑی ناک اس کی طرح مغرور لگ رہی تھی۔ شدت ضبط سے چہرہ لال اور آنکھیں گلابی ہورہی تھیں۔ ملازم دوڑا چلا آیا۔ گاڑی کی چابی ملازم کے حوالے کرکے تیز قدموں سے ہال میں آیا۔

سجاول کی میت سامنے ہی رکھی ہوئی تھی۔ بڑا سا وہائٹ پردہ ڈال کر مردوں اور عورتوں کے پورشن کو الگ کیا گیا تھا۔ اس طرح کے دونوں اطراف سے میت نظر آرہی تھی۔ سسکیوں اور بین نے استقبال کیا تھا۔ وہ چوکی پہ مردہ وجود کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ خون سے لتھڑے چہرے میں اس کے نقش چھپ سے گئے تھے۔ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا' اس نے گردن گھما کر دیکھا۔

وہ چوہدری خداداد تھے۔ چہرے پہ گہرا دکھ تھا۔ آنکھیں گیلی تھیں۔ ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر وہ افسردہ ہوا۔

''پھر ایک بھائی چلا گیا؟'' شکایتی لہجہ اور الزام دیتی آنکھیں تھیں' چوہدری خداداد کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر انہوں نے اپنے آنسو بہنے نہیں دیے کہ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ عائز عایان کو وہ یک دم بہت ناتواں اور بوڑھے لگنے لگے۔ اس نے انہیں گلے لگا لیا۔ اس کی نظر ولی قاسم پہ پڑی جس کے چہرے پہ دکھ کے ساتھ غصہ بھی نمایاں تھا۔ باپ کو دلاسا دے کر چوہدری ولی قاسم کے پاس آیا۔

''تو دیکھنا' نسلیں نہ تباہ کر دیں ملک رب نواز کی تو میرا نام ولی قاسم نہیں۔ مجھے تو بابا سائیں نے روکا ہوا ہے ورنہ اب تک اس کے گھر بھی صف ماتم بچھ چکی ہوتی۔'' چوہدری ولی قاسم اس کے گلے لگتے اپنی بھڑاس نکالنا نہیں بھولا۔ اس نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ یہ موقع اسے سمجھانے کا نہیں تھا۔

''اپنی ماں سے مل کے اسے حوصلہ دے پتر' اس کی حالت بہت خراب ہے۔'' چوہدری طیب نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے عورتوں کے پورشن کی طرف اشارہ کیا۔

''چھوٹے سرکار تشریف لا رہے ہیں۔'' رضیہ نے عورتوں میں اعلان کیا تاکہ جسے پردہ کرنا ہو وہ کر لے۔ عائشے گل کی ہر حس آنکھ بن گئی تھی۔ قدسیہ بانو نڈھال تھیں۔ نرگس' زرتاشہ سفید لباس میں ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ رابعہ' قدسیہ بانو کو زبردستی پانی پلا رہی تھی۔ عائشے گل بار بار ان کا آنچل سر پہ رکھ رہی تھی۔ جوان کے سر ادھر ادھر مارنے پہ سرک رہا تھا۔

چوہدری عائز عایان سیدھا گھر کی عورتوں کے پاس آیا۔ اس کی وجاہت دیکھ کر گاؤں کی کئی لڑکیوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ کئی ایک نے ایصال ثواب کے لیے دائرے میں بیچ پڑھتی اپنی سہیلی کو اشارہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ حویلی کم آتا تھا جس کی وجہ سے سب زیادہ تر اس کے نام سے ہی واقف تھے۔ عائشے گل کی۔ ترسی آنکھوں کو کچھ سکون ملا تھا۔ وہ دو زانو ہو کر قدسیہ بانو کے پاس بیٹھ گیا۔

''بی جان.....'' اس نے قدسیہ بانو کو ساتھ لگا لیا۔

''مجھے پھر اولاد کا غم دکھا دیا ظالموں نے..... کیسے صبر دلاؤں خود کو۔'' قدسیہ بانو تیسرے بیٹے کے قتل پہ زور و شور سے بین کر رہی تھیں۔ شدت گریہ سے اس کی آنکھیں مزید گلابی ہوتی جا رہی تھیں۔ اذیت سے اس نے ایک پل کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''کہیں سے لے آ عائز میرے جگر گوشوں کو..... کیا ان کی لاشیں دیکھنے کے لیے میں نے انہیں پیدا کیا تھا۔'' قدسیہ بانو کی ممتا ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔

''حوصلہ رکھیں بی جان۔'' انہیں خود سے لگائے وہ تھپک رہا تھا۔ اس کی نظریں سجاول کی دونوں بیواؤں پر گئی جو نڈھال تھیں۔ زرتاشہ کو پہلی بار یہ صدمہ پہنچا تھا مگر نرگس' اس نے دکھ سے نرگس کی خاموشی کو دیکھا۔ وہ اپنی ہتھیلی پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ عائز عایان کو ایسی اذیت محسوس ہوئی کہ اس سے مزید اس اگربتی اور لوبان والے ماحول میں بیٹھنا دوبھر ہو گیا۔

''بھرجائی..... بی جان کا خیال رکھیں۔'' اس نے قدسیہ بانو کو رابعہ کے حوالے کیا۔

''عائشے گل..... نرگس بھرجائی کو رلاؤ۔ کہیں صدمے سے ان کا دماغ نہ الٹ جائے۔'' پہلو میں بیٹھی عائشے گل کو ہدایت دے کر وہ اٹھ گیا۔ اسے گہری نظروں سے دیکھتے عائشے گل' نرگس کی طرف بڑھ گئی۔

□.....□.....□

ملک رب نواز کی حویلی میں چراغاں ہو رہا تھا۔ ڈھول کی تھاپ پہ رقص ہو رہا تھا۔ پینے پلانے کا کام بھی چل رہا تھا۔ کچھ دیر میں ناچنے گانے والیاں آنے والی تھیں۔ پوری رات رت جگے کا اعلان ہو چکا تھا۔ وقفے وقفے سے فضا گولیوں کی گھن گرج سے گونج رہی تھی۔ جو اس بات کی دلیل تھی کہ جیت کا نشہ سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ مردوں نے گھر کی عورتوں کو مردانے کی طرف آنے سے منع کر دیا تھا۔

ملکانی نصرت خانم کو یہ ہنگامہ اچھا نہیں تو برا بھی نہیں لگ رہا تھا ان کے بیٹے میں چوہدری سجاول کی موت کا سن کر ٹھنڈک پڑ گئی تھی۔ پچھلے سال ہی سجاول نے جعفر سے چھوٹے ساحر کو گولیوں سے بھون دیا تھا۔ پچھلے سال ان کے گھر بھی ماتم ہو رہا تھا اور اب ملکانی نصرت خانم کے بیٹوں نے اپنے بھرا کے قاتلوں کو چھلنی کر دیا تھا۔ نصرت خانم ٹانگیں پھیلائے نیم دراز تھیں۔ رضیہ ان کے پیر دبا رہی تھی۔

''چل کشمالہ سر دبا' بڑا دکھ رہا ہے۔'' نصرت خانم نے اندر داخل ہوتی بہو کو حکم دیا۔ وہ سر ہلا کر آگے بڑھی۔ ''تیل بھی ڈال دے۔'' اگلا حکم ہوا اس نے تیل کی بوتل اٹھا کر نصرت خانم کے بالوں میں تیل ڈالنا شروع کر دیا۔

''بی بی جان مجھے تو اس شور ہنگامے سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' کشمالہ نے اپنے ڈر کو زبان دی۔

''چوہدری جعفر کی بیوی ہو کر ڈرنے کی بات کر رہی ہے۔ جعفر نے سنا تو چمڑی ادھیڑ دے گا۔ چوہدری کی بیوی بننے سے پہلے جگر مضبوط کرتی۔'' ملکانی نصرت خانم نے دہاڑ پلائی' رضیہ مسکرانے لگی۔ کشمالہ خوف زدہ ہو گئی۔

''بی بی جان پچھلے سال ہم بھرا ساحر کی موت پہ آنسو بہا رہے تھے اور آج وہ لوگ کل پھر......'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہ دہاڑیں۔

''بدفعالیں مت نکال جنم جلی...... مریں وہ جن کے گھر ماتم ہے۔ میرے بچوں کو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو پوری حویلی اڑا دوں گی چوہدری خداداد کی۔'' نصرت خانم واقعی ملکوں کی بیٹی اور بیوی تھیں۔ اتنا سب ہونے کے باوجود بھی ان کا زعم دیکھنے والا تھا۔

''آپ بابا جان سے کہہ کر جعفر اور ہمایوں بھرا کو ذرا احتیاط کا کہیں۔ چوہدری کے بیٹے انتقام کے لیے پاگل ہو رہے ہوں گے۔'' کشمالہ نے فکرمندی سے دوسرا رخ بھی دکھایا۔ ملکانی پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگیں۔

''ہاں آگ تو لگی ہوگی چوہدری خداداد کی حویلی میں۔'' وہ مسکرائیں۔ ''تو ہمیں نہ سمجھا کہ ہمیں کیا کرنا ہے' جا جا کے اپنے کمرے میں بیٹھ...... سر دبانے کو کہا تھا سر کا درد بڑھانے بیٹھ گئی۔'' انہوں نے کشمالہ کا ہاتھ جھٹک کر اسے دور کیا۔

□......□......□

''بابا سائیں' اب کیا سوچا ہے آپ نے؟''

''سوچنا کیا ہے' بھرا سجاول کے چہلم سے پہلے چوہدری رب نواز کے گھر ماتم کی محفل سجائیں گے۔''

سجاول کا سوئم تھا۔ صبح سے قرآن خوانی' تسبیحات کا ورد ہو رہا تھا۔ ایصال ثواب کے لیے لنگر کھلایا جا رہا تھا۔ قدسیہ بانو کی حالت سنبھلی تھی مگر وقفے وقفے سے اب بھی روئے جا رہی تھیں۔ زرتاشہ اور نرگس عدت میں تھیں۔ رابعہ اور عائشے گل سارے انتظامات دیکھ رہی تھیں۔

دن بھر کے تھکے اور بیٹے کے غم سے نڈھال چوہدری خداداد اپنے حجرے میں آرام کرنے آئے تھے۔ ولی قاسم بھی وہیں تھا۔ جب عائز نے سوال کیا تو جواب ولی قاسم نے نفرت سے دیتے اپنے عزائم سے آگاہ کیا۔

''کتنے قتل کریں گے اور کتنی قربانی دیں گے؟'' عائز نے غصے سے ولی قاسم کی طرف رخ کیا۔

''تو تیرا کیا خیال ہے' چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ گھٹنے ٹیک دیں۔'' ولی قاسم اس سے زیادہ غصے سے بولا۔

''نہیں پھر وہی کریں جو آپ نے پلان کیا ہے' جعفر' ہمایوں میں سے کسی کو قتل کر دیں تاکہ پھر آپ کو یا مجھے بی جان رو لیں اور یہ سلسلہ ہم چاروں کے ختم ہونے تک چلتا رہے۔'' وہ شدید غصے میں تھا۔ وہ باپ بھائی کے سامنے اتنے غصے کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا مگر جو کچھ ہو رہا تھا وہ پہلے بھی اس کا مخالف رہا تھا' بی جان کی حالت اور بھرجائی کی سونی کلائیاں دیکھ کر اسے خود پہ اختیار رکھنا مشکل لگ رہا تھا۔

''آپ لوگوں کو ترس نہیں آتا رابعہ بھرجائی پہ جس نے شہریار بھرا کے ساتھ صرف دو سال شادی کے بتائے اور سالوں سے بیوگی کی چادر اوڑھے بیٹھی ہے۔ بچپن سے میں نے انہیں سفید آنچل میں دیکھا' بھرا بہرام' بھرجائی نرگس کو روتا چھوڑ گئے' تو بھرا سجاول نے انہیں اپنے نکاح

میں لے لیا اور اب وہ ایک بار پھر بیوہ ہوگئی ہے' آپ لوگوں کو بی جان پہ ترس نہیں آتا جو تین تین جوان بیٹوں کو رو کے بیٹھی ہیں۔ ہوش کے ناخن لیں بھرا..... یہ نسلوں سے چلی آرہی دشمنی سے پیچھا چھڑانے کا سوچیں..... کہیں یہ نہ ہو دونوں حویلیوں میں جہاں آج انتقام کی آگ میں لوگ جل رہے ہیں کل وہاں الو بولیں۔"

چوہدری خداداد دونوں بیٹوں کو الجھتے دیکھ رہے تھے۔ وہ بغور دونوں بیٹوں کو دیکھ رہے تھے' وہ ان کا آخری سہارا تھے۔ تین بیٹوں کو منوں مٹی تلے دبا کر بیٹھے تھے اور اب..... عائز کی باتوں سے متفق ہوتے ہوئے بھی وہ اس کا اقرار نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی انا اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

"تو تیرا کیا خیال ہے' ہم جا کر ملک رب نواز کے آگے ہاتھ جوڑ کر تسلیم کرلیں کہ ہم بزدل ہیں اور اپنی جان کی بھیک مانگتے ہیں۔" چوہدری ولی قاسم بھڑکا۔

"میں نے ایسا نہیں کہا۔" اس نے لب بھینچ کر اپنا غصہ کم کیا' اب اس کا رخ چوہدری خداداد کی طرف ہوگیا۔

"آپ پنچایت میں بات کریں۔ پنچایت بلائیں' کسی طرح یہ معاملہ ختم کریں۔"

"تو پاگل ہوگیا ہے۔ شہر میں رہ کے شہری بن گیا ہے' میرے جیتے جی تو ایسا کچھ نہیں ہوگا..... صلح کی پہل کرنی ہے تو وہ کریں گے ہم نہیں۔ ہاں میرے مرنے کے بعد تو بے شک اپنی جان بچانے کے لیے پنچائت بلا کر صلح کرلینا۔" استہزائیہ انداز میں کہتے ولی قاسم چادر جھاڑتا حجرے سے نکل گیا۔ عائز عایان نے مٹھیاں بھینچ کر چوہدری خداداد کو دیکھا' ان کے چہرے پہ بھی کم وبیش چوہدری ولی قاسم کے لفظوں کا تاثر تھا۔ اس نے تھک کر سر تھام لیا۔ اسے اپنی جان کی پروا نہیں تھی اگر اس کی جان کے بدلے ملک رب نواز اور اس کے بیٹے یہ خونی کھیل کھیلنا بند کردیتے تو وہ اپنے لوگوں کے لیے یہ بھی کرنے کو تیار تھا۔ صلح کا حل پیش کرنے کو چوہدری ولی قاسم اس کی بزدلی سمجھ رہا تھا' اگر یہ کھیل یونہی چلتا رہتا اور آخر میں صرف عورتیں رہ جاتیں تو جانے دشمن ان کی عورتوں کے ساتھ کیسے پیش آتا۔ اسے حقیقتاً اپنی تینوں بھرجائی کے سفید آنچل دکھ دینے لگے تھے۔

□.....□.....□

ایک ہفتے بعد اس نے کالج میں قدم رکھا تھا۔ ملک سجاول کی موت کی خبر نے اس کی حالت غیر کردی تھی۔ اسے اپنے وحشی بھائیوں سے ایسی ہی کسی بات کی توقع تھی۔ لیکن وہ اب کیا ہوگا؟ کے خوف ناک سوال میں الجھ گئی تھی۔ اب اس کے کس بھائی کا نمبر ہے؟ اس نے ملکانی نصرت کو صلح صفائی کی راہ نکالنے کو کہا تھا مگر انہوں نے اسے اپنے شان کے خلاف بات کہی تھی۔ مرد تو مرد ملکانی نصرت خانم نے بھی المیرا کو ہمیشہ مایوس کیا تھا۔

"شکر ہے تجھے نارمل دیکھ کر سکون ہوا۔" کنیز نے ان دنوں اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ اسے دوبارہ ایکٹو دیکھ کر اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

"ملکوں کی اولاد ہونے کے باوجود میں شاید کچھ زیادہ ہی بزدل ہوں۔ بچپن' گولیوں کے شور میں گزرا' اسی شور نے میرے اندر ڈر بٹھادیا۔ چوہدری خداداد کے بیٹے بہرام کو میرے چاروں بھرائے اغوا کرلیا تھا' اسے حویلی کے تہہ خانے میں رکھا تھا پھر ایک کالی رات کو درخت سے باندھ کر چاروں نے بہرام کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کردیا اس میں جان باقی تھی' وہ مرغی کی طرح تڑپ رہا تھا اور میرے بھرا قہقہہ لگا رہے تھے۔ میں یہ سب اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔ پھر صفدر بھرائے بہرام کی دونوں آنکھوں میں گولیاں ماریں اور اس کا جسم ٹھنڈا ہوگیا تھا۔" المیرا کے آنسو بہہ رہے تھے' کنیز نے خوف سے جھرجھری لی۔

"تم رشک کرتی ہو نا مجھ پہ؟ دیکھ لو میں کتنے وحشی درندوں کے درمیان رہتی ہوں' جنہوں نے کئی گھر اجاڑ دیئے۔" المیرا باقاعدہ رونے لگی تھی۔ کنیز اسے چپ کرانے لگی۔

"لیکن یہ دشمنی شروع کیسے ہوئی؟" کنیز کئی دنوں سے

واں پہ پہنا چاہ رہی تھی المیرا کی حالت نے اسے حقیقتاً پشیمان کردیا تھا۔ المیرا نے کبھی اپنے خاندانی راز سے پردہ نہیں اٹھایا تھا۔ بس ان کے ذکر پر تلخ ہوجاتی تھی' لیکن جاول کے قتل اور آنے والے بھائی کے نمبر نے اسے زود رنج کردیا تھا۔ المیرا کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ گئی۔

''چوہدری خداداد اور میرے بابا جان کے دادا ایک دوسرے کو خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کو نیچا دکھاتے رہتے تھے۔ میرے بابا جان کے دادا زمان کو چوہدری خداداد کے دادا جنید کی بہن پسند آ گئی۔ ملک زمان نے چوہدری جنید کی بہن کو چھیڑنا شروع کردیا۔ زرینہ نے گھر میں شکایت کی۔ پنچایت میں ملک زبان کو سزا سنائی گئی' زرینہ نے خود ان کے منہ پر سب کے سامنے جوتے مارے۔ ملک زمان شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ تھے۔ انہوں نے چپ سادھ لی لیکن یہ خاموشی بڑا طوفان لے کر آئی' زرینہ شادی کے دن اغوا ہوگئی۔ اگلے روز اس کی لاش جھاڑیوں سے ملی۔ عصمت دری کے بعد اسے بے رحمی سے قتل کردیا گیا تھا۔ سب کا شک ملک زمان پہ گیا' پنچائت بلائی گئی' ملک زمان نے سینہ چوڑا کرکے اقرار کرلیا۔ ملک زمان اور چوہدری جنید کا انتقام نسلوں میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ میرے بابا جان آٹھ بھائی تھے' جن میں سے اب صرف میرے بابا جان اور چاچا عبدالغفار بچے ہیں۔ دوسری طرف کا مجھے پتا نہیں...... اب تک میرے دو بھائی اس دشمنی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور دشمن کے تین...... اب اگلا نمبر پھر ہمارا ہے۔'' کنیز نے جھرجھری لی۔

''یہ کھیل دیکھا جائے تو تمہارے خاندان نے شروع کیا اصولاً ختم کرنے کے لیے تم لوگوں کو ہی کوشش کرنی چاہیے۔'' کنیز زرینہ کا دکھ محسوس کرکے بولی۔ المیرا کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ گئی۔

''کوئی فریق جھکنے کو تیار نہیں۔ پنچائیت نے کئی بار کوشش کی ہے مگر یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھنے کو تیار نہیں۔ ایک بار تو ولی قاسم اور میرے بھائیوں نے بیچ پنچائت میں ایک دوسرے پہ گولیاں چلادیں تھیں۔ یہ کھیل چلتا رہے گا بھلے کوئی دیکھنے والا نہ رہے۔''

''اچھا چھوڑو...... ایکسپو پہ بک فیئر لگی ہوئی ہے چل رہی ہو؟'' کنیز نے دیکھا کہ اس موضوع کا کوئی حل نہیں نکل رہا تو اس نے موضوع بدل دیا۔

''موڈ نہیں ہے۔'' اگلی کلاس کا ٹائم دیکھتے اس نے انکار کردیا۔

''چلو نا ایک ہفتے سے ہاسٹل میں پڑی ہو کچھ چینج ملے گا۔ مجھے کچھ کتابیں بھی لینی ہیں۔'' کنیز کے اصرار پہ وہ اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں کردو نا۔''

''او کے چلتے ہیں کالج کے بعد۔'' اس نے مسکرا کر ہامی بھرلی کہ تلخ سوچوں سے کسی طور پیچھا بھی تو چھڑانا تھا۔

''یہ ہوئی نا بات۔'' کنیز کھل گئی۔

□......□......□

''تو اتنی اداس کیوں ہے؟'' زرتاشہ' نرگس سے ہمکلام ہوئی۔ دونوں سوکنیں رہ چکی تھیں۔ مگر سجاول کی زندگی میں بھی دونوں میں اچھی دوستی تھی اور اس کے مرنے کے بعد وہ اور قریب ہوگئی تھیں۔ دونوں کا درد جو مشترک تھا۔

''اپنے نصیب کو سوچ کر اداس ہو جاتی ہوں کہ عورت کو اللہ نے کیا سوچ کر بنایا اور مرد عورت کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ بہرام بہت اچھے تھے' میں بہت خوش تھی ان کے ساتھ لیکن انہیں قتل کردیا گیا اور تیرے ہوتے ہوئے مجھے سجاول کے نکاح میں دے دیا گیا کہ چوہدری خاندان کی عورت باہر نہیں دی جاتی۔ اب سجاول کا بھی قتل ہوگیا اب......'' نرگس نے اداس آنکھیں زرتاشہ پر جمادیں۔

''اب...... ہونہہ چوہدری ولی قاسم کی لاٹری کھلے گی۔ وہ اپنی منگ سے بھی نکاح کرے گا اور ہم دونوں سے بھی...... یا کسی کو ذرا شرم محسوس ہوئی تو شاید ہم دونوں میں سے کسی کا قرعہ فعال عائزعایان کے نام بھی نکل جائے۔'' زرتاشہ نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

وہ دونوں عدت میں تھیں۔ ان کے کمرے کے پاس سے گزرتے کھلی کھڑکی سے آتی آوازیں عائز عایان کے کانوں پہ پڑیں تو وہ کئی لمحے تک ہل بھی نہ پایا..... اپنی بھرجائی سے نکاح..... وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن دونوں کی فکر بجا تھی۔ شہریار کے قتل کے وقت چونکہ بہرام کافی چھوٹا تھا اس لیے رابعہ اس اذیت سے بچی ہوئی تھی۔ عائز نے بچپن سے رابعہ کو سفید لباس میں ہی دیکھا تھا ان کی گفتگو نے اسے مزید پریشان کردیا تھا۔

وہ حویلی کے کچے علاقے میں آ گیا۔ جہاں بہت سے پیڑ پودے اور قسم قسم کے پھل پھول تھے۔ اسے وحشت ہونے لگتی تھی حویلی کے در و دیوار سے یہاں سے دور رہنے کے لیے ہی اس نے کراچی کے I.B.A سے M.B.A کرنے کو ترجیح دی تھی لیکن جب کبھی آتا تو دلگرفتہ لوٹتا تھا۔ کتنی آہیں، سسکیاں دفن تھیں اس حویلی میں، جو مر گئے صرف انہی کی گنتی تھی مگر جو چلتی پھرتی لاشیں تھیں وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھیں۔ اچانک حویلی کے پچھلے حصے سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس کی ساری حسیات الرٹ ہوگئیں۔ اس نے دھیان سے سنا نسوانی چیخ تھی۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس نے حویلی کے پچھلے حصے کی طرف دوڑ لگائی۔ اس طرف کئی کمرے تھے جو اصل میں ٹارچر روم کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ نسوانی آواز پہ اس کا حیران ہونا بجا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جو منظر دیکھا وہ اس کے حواس کو جھٹکا لگانے کے لیے کافی تھا۔

حویلی کے چھ سات آدمی قدرے فاصلے پہ کھڑے تھے۔ چوہدری ولی قاسم کی پیٹھ اس کی طرف تھی اس کے آگے کھڑی لڑکی بری طرح رو اور گڑگڑا رہی تھی۔ عائز اس لڑکی کو نہیں دیکھ سکا کہ ولی قاسم عین اس کے سامنے کھڑا تھا جس سے وہ چھپ سی گئی تھی۔

"بھرا کون ہے یہ لڑکی؟" عائز نے حیرانی سے اسے مخاطب کیا۔ چوہدری ولی قاسم پلٹا نہیں صرف گردن گھما کر اسے دیکھنے لگا۔

"تو نے صحیح کہا تھا یہ کھیل ہم دونوں کے مرنے تک چلنا تھا۔ میں نے کئی بار سوچا..... تیری بات میں وزن تھا اس لیے میں نے ملک جعفر یا ملک ہمایوں کو قتل کرنے کا پلان کینسل کردیا۔" چوہدری ولی قاسم چلتا ہوا اس تک آیا۔ عائز کو اس کی کہانی سمجھ نہیں آئی۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" عائز ابھی تک ولی قاسم کے پیچھے چھپی لڑکی کو دیکھنے سے قاصر تھا۔ چوہدری ولی قاسم سائیڈ پر ہوگیا۔

"ارے تو نہیں پہچانتا..... ہاں تجھے دشمن کی پہچان کہاں ہے..... تُو تو بس لمبے لمبے بھاشن دے سکتا ہے۔ امن کے صلح کے۔" اس نے مذاق اڑایا۔

عائز نے لب بھینچ کر سامنے سر جھکائے کھڑی تھر تھر کانپتی لڑکی کو دیکھا۔ بلیک کپڑوں میں بلیک چادر جو شاید کچھ دیر پہلے اس کے سر پہ تھی پھسل کر اس کے پیروں میں پڑی تھی۔ وہ سسکتی ہوئی چادر اٹھا کر سیدھی ہوئی تو اس کے گھنے لمبے بالوں نے چہرے کو ڈھانپ سا لیا تھا چادر سر پہ ڈال کر اس نے بال چادر کے اندر کیے تھے۔ وہ بلا کی حسین تھی، ہرن جیسی آنکھوں میں تیرتی بے بسی نے عائز کا دل مٹھی میں کرلیا تھا۔

"کیوں لائے ہو اسے؟" عائز کو اس سے اتنی گھٹیا حرکت کی امید کم از کم حویلی میں نہیں تھی۔ اسے پتا تھا اس کے بھائی شراب اور شباب کا شوق رکھتے تھے مگر یہ محفل زیادہ تر ڈیرے پہ جمتی تھی۔

"یہ سب سے محفوظ جگہ ہے جہاں اسے بے آبرو کر کے میں جلد ہی بازار کی رونق بنادوں گا۔ ملک رب نواز کی بیٹی، ملک ہمایوں اور ملک جعفر کی بہن بازار کی زینت بنے گی۔" چوہدری ولی قاسم نے قہقہہ لگایا۔ عائز عایان کے سر پہ جیسے پہاڑ گر گیا تھا۔ حیران آنکھوں سے اس نے اب کے دھیان سے اس چڑیا کی طرح بے بس نظر آنے والی حسین صورت کو دیکھا۔ جس کا چہرہ لٹھے کی مانند ہوگیا تھا اس میں شاید چیخنے کی ہمت بھی نہیں بچی تھی۔ تب ہی گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔

"سالوں سے چھپا کے رکھا اسے سب نے کراچی

ہمارے گاؤں میں مشہور کردیا کہ یہ آزاد کشمیر میں ہے۔ یہاں میں نے بھی اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور کیا بات خبر ملی...... میں تو بھرا سجاول کی موت کے اگلے دن ہی اٹھا لیتا لیکن موقع آج ملا۔" چوہدری ولی قاسم خوشی سے اپنا کارنامہ سنا رہا تھا۔ ملک رب نواز اور اس کے بیٹوں کے بھلے سر کا سرور اتنا زیادہ تھا کہ ولی قاسم بن پیے مدہوش ہو رہا تھا۔ چادر کو مضبوطی سے دبوچے وہ رو رہی تھی۔

"چل تو جا...... یہ تیرے مطلب کا کھیل نہیں......"

چوہدری ولی قاسم نے اسے چلے جانے کا اشارہ کرکے المیرا کی طرف پیش قدمی کی۔ اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ دوبارہ سے چیخنے لگی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیسے دیواروں میں گھس کر چوہدری ولی قاسم کے مکروہ ارادوں سے بچ جائے۔

"بھرا یہ نہ کر......" عائز نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا۔

"دیکھ تو میرا امتحانہ چاٹ جا یہاں سے۔" چوہدری ولی قاسم کسی طور پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ "میں دشمنوں کے منہ پہ کالک ملنا چاہتا ہوں۔" چوہدری ولی قاسم نے المیرا کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر اس نے پیچھے کرلیے۔

"اگر دشمنوں کے منہ پہ کالک ہی ملنی ہے تو یہ کام میں بھی کرسکتا ہوں۔" عائز عایان کے جملے پہ جہاں چوہدری ولی قاسم کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی وہی المیرا مرنے کے قریب ہوگئی۔ تھوڑی دیر پہلے اس یونانی دیوتا کی باتیں سن کر اسے کچھ امید ہوئی تھی کہ وہ اپنے بھرا کو روک لے گا۔ اسے زندہ درگور نہیں کرے گا مگر اب وہ خود اس کے منہ پہ کالک ملنے کو تیار ہوگیا تھا۔

"چل تو بھی شوق پورا کرلے۔ چوہدری عائز عایان ہو یا چوہدری ولی قاسم کیا فرق پڑتا ہے' ہمیں تو اس کے منہ پہ کالک ہی ملنی ہے۔" چوہدری ولی قاسم نے آمادگی ظاہر کی۔

"چلو اوئے سب باہر...... اپنا چھوٹا بڑا ہوگیا ہے۔" چوہدری ولی قاسم ہنستے ہوئے سب کو چلنے کا اشارہ کرنے لگا' چوہدری ولی قاسم نے کمرے سے باہر قدم رکھ دیے اور عائز عایان نے اندر۔

المیرا ساکت اسے دیکھ رہی تھی۔ عائز نے دروازہ بند کردیا تھا۔ وہ لڑکھڑا سی گئی تھی۔ عائز نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔ اس کا متوحش چہرہ عائز کے بہت قریب تھا۔ خمدار پلکوں کی جھالر والی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ جنہیں وہ پلکیں جھپک جھپک کر کھلی رکھنے کی ناکام سی کوشش کر رہی تھی۔ گلابی تراشیدہ لب کپکپا رہے تھے۔ وہ ہوش کھونے لگی تھی۔

"اے لڑکی......" وہ اس کے گال تھپتھپا رہا تھا۔ "ہوش میں آؤ۔" المیرا کے حواس بحال ہونے لگے۔ وحشت زدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے بے حد قریب تھا۔ وہ تڑپ کر ایک طرف ہوئی۔ عائز بھی سیدھا ہوگیا۔ وہ پھر سے وحشت زدہ ہرنی بن کر دیوار سے چپک گئی تھی۔

"دیکھو...... میں تمہارے ساتھ کچھ نہیں کر رہا' لیکن تمہیں اسی طرح شور کرنا چیخنا چلانا ہے جیسے تم پہلے کر رہی تھیں تاکہ باہر کھڑے میرے بھرا کو یقین ہوجائے کہ تمہارے ساتھ کچھ غلط ہو رہا ہے...... تم سمجھ رہی ہو نا؟" عائز آہستگی سے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح اسے دیکھے جا رہی تھی۔ عائز کے چہرے سے برہمی جھلکنے لگی۔

"لڑکی سمجھ نہیں آرہی میری بات۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے بال مٹھیوں میں بھر کر جھٹکا دیا۔ المیرا کی چیخ نکل گئی۔

"اسی طرح چلاتی رہو ورنہ میں جا رہا ہوں۔ کرتی رہنا ہر کسی کا سامنا۔" عائز نے اسے دھکا دیا۔ المیرا کئی لمحے اسے دیکھتی رہی۔ حواس بحال ہونا شروع ہوئے تو اس کی کہی بات سمجھ میں آنے لگی۔

"ٹھیک ہے مرو......" عائز اسے گھورتا پلٹ کر دروازے تک آگیا۔ اوپر کی چٹخنی کھولنے کو اس کے ہاتھ اوپر اٹھے تھے۔ اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی چیخوں سے کمرا گونجنے لگا تھا۔ اس کی پشت سے لگی وہ

حقیقتاً چیخ چیخ کے رو رہی تھی۔ آبرو بچ جانے پہ۔

□.....□.....□

کنیز دوسرے بک اسٹال سے لوٹی تو اسے المیرا کہیں نظر نہ آئی۔ وہ کھانے پینے کے اسٹال سے کچھ لینے گئی تھی۔ اس کے بعد کنیز نے اسے نہیں دیکھا تھا وہ اتنے بڑے ہال کے کئی چکر لگا بیٹھی مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آئی تو اسے پریشانی ہونے لگی۔ پریشانی تشویش میں بدلنے لگی تو اس نے المیرا کے فون پہ کال ملائی مگر وہ بند جا رہا تھا۔ اس کے پاس نصرت خانم کا نمبر تھا۔ اس نے فوراً انہیں کال کر کے احوال سنا دیا۔

''کس احمق نے کہا تھا تم لوگوں کو یوں سڑکوں پہ مارے مارے پھرنے کو۔'' ملکانی نصرت خانم چلائیں۔ کنیز سے انہوں نے ہمیشہ پیار و شفقت سے بات کی تھی۔ اب جو آواز اس نے سنی اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

''بی بی جان..... وہ.....'' کنیز کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

''اگر میری المیرا کو کچھ ہوا تو تجھے کتوں کے آگے ڈلواؤں گی۔'' ملکانی نصرت خانم کی غراتی آواز نے کنیز کے ہوش اڑا دیئے تھے۔

کنیز نے آگے پیچھے کئی لوگوں سے المیرا کا حلیہ بتا کر پوچھا۔ بہت دیر کی کوشش کے بعد پتا چلا کہ ایک بچہ المیرا کو کوئی پیغام دینے آیا تھا۔ المیرا اس کے ساتھ باہر تک گئی تھی پھر نہیں لوٹی۔ وہ پیغام کس کا تھا' کون سا بچہ تھا؟ کنیز پاگلوں کی طرح ادھر ادھر پھر رہی تھی۔ اسے اپنی موت یقینی نظر آنے لگی تھی۔

ادھر ملک رب نواز کی حویلی میں افراتفری مچ گئی۔ ملک ہمایوں اور ملک جعفر نے المیرا کا نمبر پہلی فرصت میں سی پی ایل سی میں دیا تھا۔ اس کے موبائل فون کی آخری لوکیشن ایکسپو سینٹر ہی ریکارڈ میں تھی۔

''کہیں چوہدریوں نے.....؟'' ہمایوں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''تیاری کرو۔ چوہدری خداداد کی حویلی میں صف ماتم بچھانے کا وقت آ گیا ہے۔'' ملک جعفر نے سب کو اشارہ کیا۔

''جعفر جلد بازی کی ضرورت نہیں..... تھوڑا صبر کرو۔ پہلے یہ پتا کرو کہ دشمن کراچی گئے تھے یا نہیں۔'' ملک رب نواز نے انہیں تحقیقات کا حکم دیا۔

''رستم.....'' ملک ہمایوں حلق کے بل چلایا۔ رستم بھاگا بھاگا آیا۔ رستم اس کا خاص آدمی تھا جو دشمنوں کی حویلی میں ہوتی سرگرمیوں کی رپورٹ دیتا تھا۔ رستم کا خاص دوست چوہدری خداداد کے گھر ملازم تھا۔

''سرکار آج عبدالرحیم نے طبیعت کی وجہ سے چھٹی کی تھی میں نے اس سے معلوم کرنے کو کہا تھا وہ پکی خبر دے رہا ہے کہ آج چوہدری خداداد کی حویلی سے کوئی کراچی نہیں گیا۔'' رستم نے سر جھکا کر اطلاع دی۔ سب کے چہرے متفکر ہو گئے۔

''جھوٹ بول رہا ہے کمینہ..... بابا جان دیر نہ کریں۔'' ملک جعفر تلملا رہا تھا۔

''بغیر کسی ثبوت کے چوہدری خداداد کی حویلی پہ ہلہ بولا تو دونوں طرف جانی نقصان ہوگا۔ پنچایت ہمیں سزا دے سکتی ہے۔ آج دسواں ہے چوہدری سجاول کا..... پنچایت نے پہلے ہی وارننگ دی ہوئی ہے۔'' ملک رب نواز نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ پہلے ہی پنچایت سے بلاوا آ رہا تھا ایسے میں وہ بغیر ثبوت کے چوہدری خداداد کی حویلی پہ حملہ کرتے تو جانے سزا کے طور پر انہیں کیا کچھ کھونا پڑتا۔

''پنچایت کے ڈر سے کیا ہم اپنی بیٹی کو چھوڑ دیں چوہدری صاحب؟'' ملکانی نصرت خانم نے حد ادب رکھتے ہوئے غصہ دکھایا۔

''ہمیں بھی اپنی بیٹی کی فکر ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ میں پنچایت میں بات کرنے جا رہا ہوں۔'' ملک رب نواز اٹھ کھڑا ہوا۔

''المیرا کسی کے ساتھ بھاگ تو نہیں گئی۔ اغوا ہوتی تو وہاں موجود لوگوں کو کچھ تو خبر ہوتی۔'' جعفر کی بات پہ ملک رب نواز اور ہمایوں کے چہرے سے خون جھلکنے لگا۔

''اگر ایسا ہوا تو اسے دیکھتے ہی گولی مار دوں گا۔'' ملک ...ہ ... نے ملصہ سے کہا اور باہر نکل گئے۔ دونوں باپ ... اپنے۔

□......□......□

مجھے شہروں سے اندازہ ہوا ہے
درندے اب نہیں ہیں جنگلوں میں

اس کی مخدوش حالت پہ عائز عایان کو بے حد ندامت ہوئی تھی۔ ولی قاسم کو اس نے ان لفظوں میں اس کی حالت کا بتایا تھا کہ وہ المیرا کو تنگ نہ کرے۔ وہ جتنی دیر اس کمرے میں رہا تھا اس کی سسکیاں ہچکیاں سماعت پہ ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔ وہ کمرے سے نکلنے لگا تو اس نے اس کی قمیص کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

''پلیز باہر مت جائیں۔ وہ لوگ پھر آجائیں گے اور......'' وہ اس کے سامنے جوڑے کھڑی تھی۔

عائز نے اس کی گلابی آنکھوں اور کپکپاتے لبوں کو بغور دیکھا تھا۔ وہ چہرہ اس کے بہت قریب تھا۔ اس کے جانے کے خوف سے وہ پھر وحشت زدہ ہرنی بن گئی تھی۔

''کوئی نہیں آئے گا۔ میں منع کر دوں گا۔'' اس نے اس کے جوڑے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''وہ لوگ آجائیں گے پلیز......'' المیرا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''کچھ کریں مجھے یہاں سے نکال دیں۔'' وہ دشمن کی بیٹی تھی۔ اس کے بھائیوں کے قاتل کی بہن تھی مگر اسے اس سے ہمدردی تھی۔ وہ عورتوں سے دشمنی نبھانے کا قائل نہ تھا۔

''تم جانتی ہو تم اپنے دشمن کی حویلی میں اپنے دشمن سے بات کر رہی ہو۔'' وہ جتانا نہیں بھولا۔

''میں صرف اس انسان سے مدد کی بھیک مانگ رہی ہوں جس نے مجھے لٹنے سے بچالیا۔ آپ کے جانے کے بعد پھر کوئی آگیا تو میں کیا کروں گی؟'' وہ پھر رونے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کا خدشہ بجا تھا۔ چوہدری ولی قاسم کب تک اس کی بات مانتا یہ گارنٹی اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ بغیر کوئی جواب دیئے چٹخنی کھول کر چلا

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی
ماہنامہ حجاب کراچی

(ایک ساتھ منگوانے پر)

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

7000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کرسکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبر: 2/35620771-922+

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

گیا تھا۔ المیر اسسک سسک کر رونے لگی تھی۔

ایک بچے نے اسے کہا تھا اس کے بھائی کے بندے باہر اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ ضروری پیغام دینا تھا۔ وہ یہاں موجود ہے یہ اس کے بھائیوں کو کیسے پتا؟ وہ حیران ہوتی باہر آئی تھی۔ جیپ میں اجنبی چہرے تھے۔

''آپ بیٹھیں ملک ہمایوں آپ سے ملنا چاہتے ہیں وہ سامنے ریسٹورنٹ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' جیپ میں سوار شخص نے کہا۔

''میں اپنی دوست کو بتادوں۔'' حیران ہوتی اس نے کنیز کو مطلع کرنا چاہا۔

''صرف تھوڑی دیر کی بات ہے آپ لوٹ آیئے گا۔ چوہدری سجاول کے قتل کے بعد سب محتاط ہوگئے ہیں۔ آپ کو کوئی ملک ہمایوں کے ساتھ نہ دیکھ لے اس لیے انہوں نے ہمیں بھیجا ہے۔'' وہ جیپ میں سوار ہوگئی کہ تھوڑی دیر میں پلٹ ہی آنا تھا مگر یہ اس کی خام خیالی نکلی۔ کنیز کو کال کرنے کے لیے نکالا سیل فون کہاں گیا' وہ ناک پہ رکھے رومال سے بے ہوش کب ہوئی اسے خبر نہ ہوئی۔

ہوش آیا تو چوہدری ولی قاسم اس کے سر پہ کھڑا تھا۔ وہ دشمن کا شکار ہوگئی تھی۔ دشمن نے ذہانت سے چال چلی تھی۔ اگر عائز دخل اندازی نہ کرتا تو وہ اب تک اپنی ہی نظروں میں گر چکی ہوتی۔

عائز اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا' وہ بے حد الجھا ہوا تھا۔ عائشے گل نے اس کا راستہ روک لیا۔ وہ اس کی بچپن کی منگ تھی۔

''سنا ہے بھرا ولی قاسم نے المیر اکو اٹھوالیا ہے اور تو اسی کے پاس تھا۔'' عائشے گل کا لہجہ شاکی تھا۔ ایک مجبور لڑکی کو بچانے کے لیے کچھ نہ کرکے بھی اس کے صاف ستھرے دامن پہ داغ لگ گیا تھا۔

''مُنو تو ایسا نہیں تھا عائز..... مجھے تجھ سے ایسی امید نہ تھی۔'' عائشے گل کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ بلاشبہ وہ اس سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی۔ اس کے صاف شفاف کردار اوصاف کی پوری حویلی میں دھوم تھی اور اب اس کا ٹوٹتا بت عائشے گل کو تکلیف دے رہا تھا کہ وہ کسی پہیلی کا سراغ پا گیا ہو۔

''تو نے چوہدری گھرانے میں آنکھ کھولی ہے۔ یہاں کا ماحول سب کچھ تیرے سامنے ہے۔ پھر حیران کیوں؟'' اس کے اعصاب جھنجلا گئے۔ تڑخ کر جواب دیتے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ پیچھے عائشے گل نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے اپنا ٹریولنگ بیگ نکالا اور اپنا سامان رکھنے لگا۔ وہ جلد سے جلد حویلی سے نکلنا چاہ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کی وحشت بڑھنے لگی تھی۔ یہاں آکر وہ ہمیشہ اپ سیٹ ہوجاتا تھا۔ گرے کلر کے شلوار سوٹ پہنے وہ چینجنگ روم سے نکل کر مرر کے آگے کھڑا بال بنانے لگا۔ دروازے پہ دستک ہوئی۔

''آجاؤ۔'' اس نے آواز لگائی۔ ملازم دروازہ کھول کر دہلیز پہ آکھڑا ہوا۔

''چھوٹے سرکار چوہدری صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ جلدی آنے کو کہا ہے۔''

''تم یہ بیگ میری گاڑی میں رکھو۔ میں آتا ہوں۔'' مضبوط کلائی میں بلیک گھڑی پہنتے آگے کی طرف قدم بڑھادیئے۔

چوہدری خداداد کمرے میں ٹہل رہے تھے بے چینی ان کے انداز سے جھلک رہی تھی۔ چوہدری ولی قاسم بھی قریب ہی کھڑا تھا۔

''جی بابا سائیں آپ نے بلایا؟'' چوہدری خداداد نے ٹہلنا ترک کرکے اس کی تیاری ملاحظہ کی۔

''کہیں جانے کی تیاری ہے؟'' انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اسے دیکھا۔

''جی شہر واپس جارہا ہوں۔'' اس نے ماحول کی گھمبیرتا کو محسوس کیا۔

''خیر ہے آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟'' چوہدری خداداد نے چوہدری ولی قاسم کو گھور کے دیکھا۔

''جب اولاد باپ سے بنا پوچھے انتہائی قدم اٹھائے تو

اسے پریشانی ہی ہوتی ہے۔'' عائز نے ناسمجھ انداز میں دونوں کے چہرے کو دیکھا۔

''تم نے بھی مجھے نہیں بتایا کہ چوہدری ولی قاسم نے المیرا کو اٹھوالیا ہے اور وہ اس وقت حویلی میں ہے۔'' انہوں نے عائز پہ غصہ کیا۔ وہ چونکا۔

''مجھے علم نہیں تھا کہ بھرا نے آپ کو نہیں بتایا۔ مجھے لگا تھا اتنا بڑا اقدام یہ آپ سے پوچھے بغیر نہیں اٹھا سکتے۔'' عائز نے حیرانی کو زبان دی۔

''چوہدری خداداد کے جسم میں چوہدری جنید جیسے دادا کا خون دوڑ رہا ہے۔ جو عورتوں کی آڑ میں انتقام پورے نہیں کرتا۔ مگر میرا خون......'' انہوں نے غضب ناک نظروں سے چوہدری ولی قاسم کو گھورتے مٹھیاں بھینچ لیں۔ اب عائز کو یہ سچویشن سمجھ نہیں آرہی تھی۔

''ملک رب نواز پنچائیت تک بات لے گیا ہے اسے ابھی شک ہے لیکن پنچایت نے حویلی کی تلاشی لی تو جو بے عزتی ہوگی اسے سوچ کر میرا دل شرمندگی سے مرجانے کو چاہ رہا ہے۔'' وہ پریشانی سے پھر ٹہلنے لگے۔ جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ پھر ٹھٹک کر رک گئے۔

''عائز تو اسے اپنے ساتھ شہر لے جا بعد میں دیکھ لیں گے کیسے یہ مسئلہ حل کرنا ہے۔'' اسے جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

''میں اپنے ساتھ لے جاؤں؟''

''ہاں اس وقت یہی بہتر حل ہے تو نکل ہی رہا ہے......ولی قاسم' المیرا کو عائز کے ساتھ روانہ کرو۔'' وہ حکم کی تعمیل میں نکل گیا۔

''بابا سائیں میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔'' وہ انکاری تھا۔

''چوہدری عائز عایان یہ میرا حکم ہے۔ میں پنچایت کی طرف جارہا ہوں تم نکلو اسے لے کر۔'' وہ حکم صادر کرکے چلے گئے۔ وہ جھنجلا گیا۔

□......□......□

عائز عایان نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے بیک ویو مرر سے المیرا کے چادر میں لپٹے وجود کو دیکھا۔ خاموشی سے اسے مرسڈیز کی پچھلی نشست پہ بٹھادیا گیا تھا۔ اس کی آمد سے چند وفادار ہی باخبر تھے۔ بلااجازت کسی کو حویلی کے پچھلے حصے کی طرف جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہاں تک کہ حویلی کی عورتوں کو بھی نہیں۔ ابھی بھی حویلی کا پچھلا پھاٹک ہی استعمال ہوا تھا۔ بے دلی سے کالے شیشے چڑھا کر اس نے مرسڈیز کو سڑک پہ ڈالا۔ جھنجلاہٹ عروج پہ تھی۔ پچھلی طرف مکمل خاموشی تھی۔ جانے وہ رو رہی تھی یا نہیں' عائز کو اندازہ نہیں ہوا۔ وہ اس کے اتنے سکون سے بیٹھنے پہ بھی حیران تھا۔ المیرا چند گھنٹوں میں جیسے کئی سال کا سفر طے کرچکی تھی۔ جب اسے مرسڈیز میں بٹھایا گیا تو وہ خوف سے نچڑ رہی تھی۔ جانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ لیکن ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ عائز عایان کو کھولتے دیکھ کر وہ قدرے پرسکون ہوگئی تھی۔ اس کی شکل دیکھ کر جیسے حبس بے جا میں ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ اس کے چہرے سے جھلکتی بے زاری بھی اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔

یقیناً اسے زبردستی مجبور کیا گیا تھا۔ وہ کہاں جارہا تھا...... اسے کہاں لے جارہا تھا؟ وہ کچھ نہیں جانتی تھی' اس نے بھلے اسے حیوانگی کا شکار ہونے سے بچایا تھا مگر وہ بھولی نہیں تھی کہ اس کی رگوں میں بھی دشمن کا خون دوڑ رہا ہے۔ باوجود اپنے گھر لوٹنے کی خواہش کے وہ اسے کچھ نہ کہہ سکی۔ بیک ویو مرر سے عائز کی گہری نظریں اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''آگے آکے بیٹھ جاؤ۔'' بیک ویو مرر سے اس کی نظر ملی تو اس نے ہولے سے کہا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔ اردگرد تاریکی اور سناٹے سے اسے ریڑھ کی ہڈی میں خون جمتا محسوس ہوا۔ وہ ابھی گاؤں میں ہی تھے۔ عائز نے جھک کر دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ وہ بناچوں چراں کیے چپ کرکے بیٹھ گئی۔ عائز نے ایک عورت کی کمزوری کو بہت شدت سے محسوس کیا۔ دونوں حویلی کے مردوں نے جو خونی کھیل رچایا ہوا تھا' اس کا نشانہ عورتیں بھی بن رہی تھیں۔ اسے ہمدردی تھی۔

''ہوں تو میں تمہارے دشمن کا بیٹا اور بھائی..... نہ مجھے موت کا خوف ہے نہ میں اس کھیل کو پسند کرتا ہوں' جس کی سزا میری تین بھرجائی کاٹ رہی ہیں اور اب تم نشانہ بن گئیں۔ بھراولی قاسم نے تمہیں اٹھوا کر غلط کیا..... میں تمہیں تمہارے علاقے تک چھوڑنے جارہا ہوں۔ لوٹ جاؤ اپنوں میں۔'' اس کی آواز اتنی گھمبیر تھی کہ مرسڈیز کے یخ ماحول میں المیرا کے جسم میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ اس نے جس طرح بات شروع کی تھی ایک لمحے کو وہ ڈر گئی۔ المیرا نے شیشے کے پار سے دیکھا' وہ اس کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔

''آپ یہیں گاڑی روک دیں۔ کسی نے آپ کو دیکھ لیا تو آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' المیرا اس کے عمل پہ جہاں حیران تھی وہیں اسے اس کی جان کی فکر نے آ گھیرا۔ اس نے اسٹیئرنگ پہ رکھے عائز کے مضبوط ہاتھ پہ بے ساختہ اپنا ہاتھ رکھا۔ عائز کا پیر بے ساختہ بریک پہ پڑا تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ پر رکھے اس کے ہاتھ کو دیکھا دوسری نظر المیرا کے چہرے پر کی۔ وہ اس کی خاموش نظروں سے گڑبڑا گئی۔

''جاؤ..... مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' خشک لہجے میں کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹالیا۔ وہ چپ چاپ فرنٹ سیٹ سے اتر گئی۔

''آپ کا احسان اگر کسی طرح اتار پائی تو مجھے خوشی ہوگی۔ آپ نے جس طرح.....'' المیرا ڈرائیونگ سیٹ کی ونڈو پہ جھکی ہوئی تھی۔

''اندھیرا بہت ہے آگے تک چھوڑ دوں یا چلی جاؤ گی۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کر گیا تھا۔ جیپ کی روشنی قریب ہوتی جارہی تھی۔ دونوں نے اس چیز کو نوٹس نہیں کیا۔

''نہیں میں چلی جاؤں گی۔'' المیرا کے کہتے ہی کسی کی دھاڑ سنائی دی۔

''وہ رہی المیرا کسی لڑکے کے ساتھ ہے۔'' دونوں بری طرح چونک گئے تھے' المیرا نے آواز پہچان لی یہ اس کے بھرا ملک جعفر کی آواز تھی۔

''میں نہ کہہ رہا تھا اپنے یار کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ کتنے سکون سے راز و نیاز کر رہی ہے' اپنے یار سے۔ ہمارے منہ پہ کالک مل کے۔ چھلنی کردو دونوں کو۔'' فضا ملک ہمایوں کی چنگھاڑ سے گونجنے لگی۔ المیرا ساکت رہ گئی تھی۔ عائز عایان کے حواس مضبوط تھے۔ اس نے تیزی سے پسٹل نکال کر چیمبر چڑھایا تھا۔ فضا گولیوں کی آواز سے گونجنے لگی تھی۔

''دونوں میں سے کوئی بچ نہ پائے۔'' ملک ہمایاں پھر دھاڑا۔ عائز نے سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر المیرا کو پوری قوت سے گھسیٹا۔ المیرا اس کے وجود پہ گر سی گئی تھی۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں فرنٹ سیٹ پہ منتقل ہوگئی۔ دروازہ بند کرتے عائز نے بھی فائر کرنا شروع کردیا۔ جس کی وجہ سے آنے والی جیپ کی رفتار میں کمی آئی تھی اور اسی کا فائدہ اٹھا کر عائز نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر مرسڈیز کا رخ گاؤں کے خارجی راستے کی طرف کردیا تھا۔ جعفر کے بازو میں گولی لگی تھی۔

''بھرا تو ٹھیک ہے؟'' ملک ہمایوں کو فکر ہوئی۔

''ہاں پیچھا کرو اس کمینی اور اس کے یار کا۔'' ڈرائیور نے جیپ کی رفتار بڑھادی مگر کافی آگے جا کے بھی انہیں کوئی گاڑی نظر نہ آئی۔

''کہاں غرق ہوگئے وہ لوگ؟ کس نے کہا تھا دور سے فائر کرنے کو' دیکھ تو لینے دیتے کون ناہنجار تھا۔'' جعفر درد سے کراہتے ہوئے چلایا۔

''گاڑی گاؤں کی تو نہیں تھی۔'' ملک ہمایوں نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''بابا جان نے بلاوجہ پنچایت بلالی۔ کتنی سبکی ہوگی جب بات کھلے گی۔'' ملک جعفر آگے کی سوچ رہا تھا۔ وہ لوگ پنچائت کی طرف ہی جارہے تھے کہ راستے میں المیرا نظر آ گئی۔

''ہم انہی پہ الزام رکھیں گے شک کی بنیاد پہ ہی۔'' ہمایوں اڑا ہوا تھا۔

''پہلے آپ ڈاکٹر کے پاس چلیں' خون زیادہ بہہ رہا ہے المیر ا اور اس کے یار کو بعد میں دیکھ لیں گے۔'' ملک ہمایوں نے ڈرائیور کو کلینک کی طرف چلنے کو کہا۔

□.....□.....□

اس نے اتنی تیز رفتاری سے گاڑی بھگائی تھی کہ المیر ا ادھر ادھر ڈول رہی تھی۔

''لاک کرو اپنی طرف کا دروازہ۔'' اسے خدشہ ہوا وہ نیچے ہی نہ گر پڑے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ بلیک گلاس کی وجہ سے وہ لوگ عائز کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ بلیک مرسڈیز بھی رات کی تاریکی میں نظروں میں نہ آ سکی تھی۔ وہ بار بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا مگر پیچھے کسی گاڑی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' پسٹل والا ہاتھ اسٹیئرنگ پہ تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ پسٹل اسٹیئرنگ کے اوپر رکھ کر وہ الرٹ تھا دوسرے ہاتھ سے اس نے ماتھے پہ آئے بالوں کو پیچھے کرتے المیر ا کی طرف دیکھا۔ وہ سسکیاں بھر رہی تھی اسے کوفت ہوئی۔

''کیا کرتی رہی ہو کہ تمہارے بھائی صفائی کا موقع دیے بغیر تمہاری جان کے دشمن بن گئے۔'' اس نے غصے سے پوچھا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ اب وہ باقاعدہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اس نے لب بھینچ کر پسٹل ڈیش بورڈ پہ پھینکا اور سڑک پہ نظر جما دی۔ اسے لگا تھا' اسے چھوڑ کر وہ آزاد ہو جائے گا مگر وہ بلا کی طرح اس کی جان سے چمٹ گئی تھی۔ باقی کا راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ ڈرائیو کرتے کئی گھنٹے ہو گئے تھے مگر وہ بریک نہیں لے رہا تھا۔

''کچھ کھاؤ گی' بھوک لگی ہے؟'' صبح کی کرنیں بیدار ہونے لگیں تو اسے خیال آیا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''بی جان نے کھانے کی چیزیں رکھوائی ہیں۔ تھرماس میں چائے بھی ہے۔'' اس نے پچھلی نشست کی طرف اشارہ کیا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' المیر ا نے انکار کیا۔

''چپ کر کے نکالو اور کھاؤ۔'' اس نے سختی سے کہا۔

''بے ہوش ہو گئیں تو مجھے ہی عذاب میں ڈالو گی۔'' اس کے گھورنے پہ المیر ا نے پچھلی نشست کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے رفتار میں کمی کر دی تھی مگر گاڑی روکی نہیں کہ وہ جلد از جلد منزل پر پہنچنا چاہتا تھا۔ المیر ا نے بڑا سا باکس اٹھایا۔ باکس کے اندر کئی چھوٹے چھوٹے باکس تھے۔ شامی کباب' بوائل انڈے' سینڈوچ' فرائیڈ چکن سب الگ الگ باکس میں تھے۔ اس نے پیچھے سرک کر باکس کھول کر سیٹ پہ رکھا۔ تھرماس سے چائے کپوں میں ڈالنے لگی تو اسپیڈ بریکر کی وجہ سے چائے اس کے ہاتھ پہ گر گئی۔ ''سی'' کی آواز سے اس نے تھرماس سیدھا کیا۔ اس نے اسے دیکھا وہ اپنے ہاتھ کا معائنہ کر رہی تھی۔ اس نے سائیڈ پہ گاڑی روک دی۔

''جلدی کرو میں زیادہ دیر نہیں رکوں گا۔'' المیر ا نے چائے کا مگ اس کی طرف بڑھایا مگ تھام کر اس نے خشک لبوں سے لگا لیا تھا۔ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل گیا۔ گاڑی کے بونٹ پہ مگ رکھ کر اس نے پیچھے سے پانی کی بوتل اٹھائی تھی۔ سائیڈ پہ کھڑے ہو کر اس نے ہاتھ دھو کر منہ پہ پانی کے چھپاکے مارے اور بوتل بند کر کے پچھلی سیٹ پہ پھینک کر مگ اٹھاتا دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا۔ المیر ا کی کھوئی کھوئی نظریں اسی پہ جمی تھیں۔ ٹشو باکس سے یکے بعد دیگرے کئی ٹشو نکال کر چہرہ خشک کرتے اس نے المیر ا کو گھورا جو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔

''لڑکی..... میں تمہارے نخرے برداشت کرنے کو نہیں بیٹھا۔ جلدی کرو۔ مجھے کراچی بھی پہنچنا ہے۔'' وہ غصے سے بولا۔ المیر ا کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''مجھ سے کھایا نہیں جا رہا۔'' رندھی آواز میں اس نے بے چارگی سے کہا۔

''چوہدری ولی قاسم نے مجھے اغوا کروایا لیکن میرے اپنوں نے مجھے بے اعتبار کر دیا۔ میری جان کے دشمن

ن گئے۔ میں جی کر کیا کروں گی۔ مجھے مرجانا چاہیے۔''
وہ ذہنی طور پر تھک گئی تھی۔ کشمکش نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ ذات کا مان' غرور چھیننے پہ وہ ٹوٹ سی گئی تھی۔ اپنے ماں جائے بے اعتبار کر کے اس پہ گولیاں چلا رہے تھے۔ وہ تو جیسے اندر سے مر ہی گئی تھی۔ اس لمحے خود کو فنا کرنے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ اس نے بجلی کی تیزی سے ڈیش بورڈ پہ رکھا عائز کا پسٹل اٹھا کر کنپٹی سے لگا کر ٹریگر دبانا چاہا۔

''مجھے مرجانا چاہیے۔'' اگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا تو وہ ٹریگر دبا بھی چکی ہوتی۔ اس نے اس کی کلائی پہ زور دار ہاتھ مارا اور پسٹل المیر اکے پیروں کے پاس جا گرا۔ اگلے لمحے عائز نے اس کے بازو جھنجوڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''لڑکی..... زیادہ افلاطون بننے کی کوشش مت کرنا..... ورنہ تم میرے غصے سے واقف نہیں ہو۔ میرے پسٹل سے مر کے مجھے پھنسانا چاہتی ہو۔'' المیر اکے بازو میں اس کی آہنی گرفت کی وجہ سے درد ہونے لگا تھا۔ وہ اس کی غضب ناک نظروں کی زد میں تھی۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔

''زیادہ جذباتی ڈرامہ کرنے کی پھر کوشش مت کرنا..... پسٹل اٹھاؤ.....'' اس نے بازو پہ گرفت ہلکی کر کے پسٹل کی طرف اشارہ کیا۔ المیر انے جھک کے پسٹل اٹھایا جسے اس نے جھپٹ کر اپنی سیٹ کے نیچے منتقل کر دیا۔

''کھاؤ!'' خشک لہجے میں اتنی زور سے دہاڑا کہ بازو سہلاتی وہ ڈر سی گئی۔ کباب کا باکس اٹھا کر اس نے سامنے کیا۔ المیر انے ڈبڈباتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ تلخی تھی۔

''لڑکی..... حقیقت کو قبول کر لو۔ کسی رشتے اور سہارے کے بغیر جینے کی عادت ڈال لو۔ تمہارے مر جانے سے تمہارا خون کوئی انقلاب نہیں لے آئے گا۔ کچھ پڑھا لکھا ہے.....؟ شعور تو ہوگا۔'' اس کی دلی کیفیت کا اندازہ تھا' عجیب لہجہ تھا۔ سمجھا بھی رہا تھا تو پتھر مارنے کے انداز سے۔ باکس آنکھوں کے سامنے لہرایا تو المیر انے کباب اٹھالیا۔

□.....□.....□

المیر اکسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ پنچائیت کے ساتھ یہ خبر آن کی آن پورے گاؤں میں پھیل گئی تھی۔ پنچائیت کے ارکان نے ملک رب نواز کو چوہدری خداداد پہ الزام لگانے پہ سخت سرزنش کی تھی۔ چوہدری خداداد اور چوہدری ولی قاسم ان کی ذلت پہ خوش تھے۔ ان کی عقل مندی نے دشمنوں کو شرمندہ کروادیا تھا۔

''میں تو پہلے ہی مخالف تھا اسے کراچی بھیج کر پڑھانے کے۔'' جعفر بینڈیج والے بازو پہ ہاتھ رکھتا غرایا۔

''کیا ضرورت تھی تم لوگوں کو المیر ااور اس لڑکے پہ گولی چلانے کی۔ میں نے کیا سوچا تھا اور تم لوگوں کی حرکت نے الٹا پورے گاؤں اور پنچائیت میں مجھے شرمندہ کروادیا۔ میں چوہدری خداداد کی تھوتھو کروانا چاہتا تھا' پہلے المیر اکو پکڑ تو لیتے۔'' ملک رب نواز' ملک ہمایوں اور ملک جعفر پہ برس رہے تھے۔

''ملکانی پتا کراؤ اس کی سہیلی سے کون تھا وہ لڑکا..... اور المیر اکا اس سے کب سے چکر چل رہا تھا۔'' ملک رب نواز نے چپ بیٹھی ملکانی نصرت خانم کو حکم دیا۔ انہوں نے سر ہلایا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہیں سے المیر املے اور وہ اس کا گلہ دبادیں۔

□.....□.....□

عائز عایان کے پیچھے وہ تین کمروں کے فلیٹ میں داخل ہوئی۔ فلیٹ ویل فرنشڈ اور ڈیکوریٹڈ تھا۔ ایک سے ایک نفیس چیز اس بڑے سے فلیٹ کی رونق بڑھا رہی تھی۔ دیواروں پہ آویزاں نفیس پورٹریٹ' خوب صورت پردے' دبیز کارپٹ' مہنگا فرنیچر غرض ہر چیز سے خوب صورتی جھلک رہی تھی۔ گیٹ بند کر کے وہ ایک کمرے میں چلا گیا۔ وہ کئی لمحے لاؤنج کے صوفے سے لگی کھڑی رہی۔ جب ٹانگیں تھکنے لگیں تو صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اسے بیٹھے

بیٹھے جانے کتنی دیر ہوگئی تھی۔ فلیٹ میں سناٹا اور ملگجا اندھیرا تھا۔ پوری رات سفر میں گزری تھی۔ ایک پل کو بھی پلک نہیں جھپکی تھی۔ پُرسکون ماحول اور دبیز صوفے پہ کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے خبر نہ ہوئی۔

اس کی آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔ وہ مین گیٹ پہ تالا لگا رہا تھا۔ پھر اس نے لاؤنج سے ملحق امریکن کچن کی طرف قدم بڑھائے۔ ماحول میں خوشبو سی بسی ہوئی تھی۔ غالباً وہ کچھ پکا رہا تھا۔

المیر انے دیوار کی طرف دیکھا۔ گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی۔ عائز نے پاستا چکن اپنی پلیٹ میں نکالا اور دوسرے صوفے پہ آ کر بیٹھ گیا۔ ریموٹ سے ایل ای ڈی آن کیا۔ چینل سرچنگ کرتے اس کی نظر المیر اپہ پڑی۔

''پاستا بنایا ہے جا کے اپنے لیے نکال لو..... مجھ سے مہمان نوازی کی امید مت رکھنا۔'' چکن فورک میں پرو کر منہ میں رکھتے اس نے نظریں دوبارہ اسکرین پہ جما دیں۔ المیر اکو بے حد حیرت ہوئی چوہدری خداداد کا بیٹا خود کو کوکنگ کر رہا تھا۔ اسے بھوک محسوس ہونے لگی۔ سچ ہے کتنے ہی نامساعد حالات ہوں بھوک اور نیند انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔

''واش روم کہاں ہے؟'' وہ پلیٹ رکھ کر فریج تک گیا تھا۔ المیر انے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ کولڈ ڈرنک کی بوتل نکال کر بلوریں گلاس کاؤنٹر سے اٹھاتے اس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ کمرے میں چلی گئی۔ یہ کمرا بھی خوب صورت فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔ کمرے میں تمام ضرورت کی چیزیں موجود تھیں۔ کمرے سے ملحق واش روم سے اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آئی۔ سامنے دیوار گیر مرر آویزاں تھا۔ شیشے کے چھوٹے چھوٹے شیلف پہ دنیا جہان کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے بل درست کیے اور چادر سر پہ درست کرتی باہر آئی۔ اب وہ کچن میں کھڑا کافی پھینٹ رہا تھا۔ چولہے پہ دودھ ابل رہا تھا۔ وہ کھڑی رہے یا پلٹ جائے وہ عجیب مخمصے میں تھی۔ اس کی الجھن محسوس کر کے وہ سائیڈ پر ہو گیا۔

''جتنی دیر آپ نے سجنے سنورنے میں لگایا پاستا چکن ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اوون میں ہے نکال لو۔'' پتھر مارنے کے اسٹائل سے کہہ کر وہ کھولتا دودھ مگ میں ڈال رہا تھا۔ اس کی موجودگی سے پزل اس نے بے دھیانی میں اوون کا دروازہ کھول کر پاستا نکالنا چاہا مگر اس کا ہاتھ جل گیا اس نے فوراً ہاتھ پیچھے کیا۔

''کیا بالکل ہی گنوار ہو؟'' گلف اس کے سامنے شیلف پہ پھینکتے وہ غصہ سے پھنکارا۔ جب تک اس نے پاستا چکن پلیٹ میں نکالا وہ کافی میں چینی مکس کر کے فریش کریم کی موٹی تہہ جما کر دوبارہ صوفے پہ جا بیٹھا تھا۔

وہ زبردستی اس کے سر پہ مسلط تھی یہ احساس اسے پزل کر رہا تھا۔ وہ تو آج تک کسی رشتے دار کے گھر نہیں رکی تھی اور اب دشمن کے ساتھ رہنا پڑ رہا تھا۔ دشمن بھی ایسا جس نے ذرا بھی اپنائیت کا احساس نہیں دلایا تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی پلیٹ لے کر دوبارہ اپنی جگہ پہ آ بیٹھی۔ بے بی کارن' شملہ مرچ پاستا کا ٹیسٹ بڑھا رہی تھی۔ بہت مزے کا بنا ہوا تھا۔ اسے اعتراف کرنا پڑا۔ کافی پیتے وہ نیوز چینل میں گم تھا۔

''پہلے کولڈ رنک پھر کافی..... کچھ عجیب ہے یہ شخص۔'' المیر انے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ عائز کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ حویلی کا نمبر دیکھ کر ایک پل کو اس کے ماتھے پہ بل آئے۔

''میں عائز عایان از آن دی لائن۔'' عجیب شاہانہ انداز تھا۔

''عائز میں عائشے گل بات کر رہی ہوں۔'' عائشے گل کی دھیمی آواز سنتے وہ حیران ہوا۔ اس نے بے ساختہ گھڑی پہ نظر ڈالی۔ تین بجنے والے تھے۔

''خیریت عائشے گل..... اتنی رات کو کیسے فون کیا..... سب ٹھیک ہے حویلی میں؟'' اسے فکر ہوئی' جس بلا کو وہ ساتھ لے آیا تھا' ڈر تھا اس کی وجہ سے حویلی میں کوئی بھونچال نہ آیا ہو۔ حویلی کے نام پہ المیر اکے کان کھڑے

ہو گئے تھے۔ عائشے گل کون تھی اسے تجسس ہوا۔ جہاں تک اس کی معلومات تھی چوہدری خداداد کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ تو پہنچ گیا خیریت سے؟" عائشے گل کی جھجکتی آواز آئی۔

"پہنچنے کی اطلاع بابا سائیں کو کردی تھی۔ تو نے خیریت پوچھنے کے لیے اتنی رات کو فون کیا؟" اس کے ماتھے پہ بل پڑنے لگے۔

"نیند نہیں آرہی تھی۔" مجبوری بیان کی۔

"تو میں تجھے لوری دوں یا پلز کا کام کروں۔" عائشے گل پہ دہاڑتے وہ سامنے موجود المیرا کو فراموش کر چکا تھا۔

"تیری منگ ہوں اگر فون کرلیا تو......" عائشے گل نے کہنا چاہا مگر اس کی بات اچک لی گئی۔

"بچپن کی منگ ہے تو میرے مزاج سے بھی آشنا ہوگی کہ مجھے یہ سب پسند نہیں اور آئندہ فون کیا تو میں چاچا طیب سے تیری بے شرمی کی شکایت کروں گا۔" اس نے دھمکی دی۔ عائشے گل روہانسی ہوگئی۔

"آج تو اس چڑیل کو ساتھ لے گیا ہے جب سے تو نکلا ہے انگاروں پہ لوٹ رہی ہوں۔" عائشے گل نے روتے ہوئے کہا تو وہ ایک پل کو سناٹے میں رہ گیا۔ اسے اس کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے گردن گھما کر المیرا کی طرف دیکھا۔ اس کے دیکھتے پہ اس نے جلدی سے نظریں پلیٹ پہ جمادیں۔

"تم کیا سر پہ سوار ہو۔ جاؤ اس کمرے میں ٹھکانہ کرو اپنا۔" فون نیچے کرکے وہ دبی آواز میں المیرا پہ غرایا۔ وہ پلیٹ لے کر جھٹ کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ خشمگیں نظروں سے اس کی پشت کو گھورتے اس نے دوبارہ فون کان سے لگایا۔ جہاں عائشے گل کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"تجھے کیا لگتا ہے عائز عایان اتنا کمزور ہے کہ کسی المیرا کے سحر میں گرفتار ہوجائے گا۔ ایسی ہزار المیرا کو بھی عائز عایان اہمیت نہیں دیتا۔ میرے لیے ایسا سوچ کر تو نے میری نظر میں خود کو بہت چھوٹا ثابت کردیا ہے عائشے گل۔" وہ برہمی کا اظہار کررہا تھا۔ دروازے سے لگی المیرا اپنے نام پہ چونکی۔

"میں نے تجھ پہ شک نہیں کیا مگر المیرا کی خوب صورتی کے قصے بہت سنے ہیں، پھر وہ بھی تیری طرح شہری ہے تو......" عائشے گل سسکی لے رہی تھی۔ اس کے لب بھینچ گئے۔

"میں تجھ سے بہت محبت کرتی ہوں عائز...... تیرے ساتھ کسی کو بھی برداشت نہیں کرسکتی۔" عائشے گل کے اعتراف نے اسے چراغ پا کردیا۔

"تو ٹھیک ہے تندور میں چھلانگ لگادے یا زہر کھالے۔" اس نے غضب ناک ہوکر فون ہی کاٹ دیا۔ وہ سخت جھلایا ہوا لگ رہا تھا۔

"کتنا کٹھور ہے۔ کوئی منگ سے بھی ایسے بات کرتا ہے۔" اسے عائشے گل سے ہمدردی ہوئی۔ "کس پتھر سے سر پھوڑا ہے اس نے۔"

عائشے گل اور عائز کو سوچتے اسے ملک احتشام یاد آ گیا۔ اس کے ماموں کا بیٹا...... چار سال ہوئے تھے دونوں کی منگنی کو...... اکثر ملک احتشام اسے کال کرلیتا تھا اور وہ کنی کترانے کی کوشش کرتی تھی۔

□......□......□

اس کا کالج جانے کا موڈ نہیں تھا۔ مگر اہم کلاس تھی۔ وہ بے دلی سے اٹھ کر تیار ہونے لگی۔ المیرا کی خالی جگہ دیکھ کر اسے ایک بار پھر رونا آیا۔ جانے وہ کہاں تھی، کس حال میں تھی؟ دروازے پہ دستک دے کر وارڈن اندر آئی تھی۔

"ملکانی نصرت خانم تم سے ملنے آئی ہیں۔" وارڈن اطلاع دے کر چلی گئی تھی۔ عقل مندی کا ثبوت دیتے اس نے ہاسٹل میں کہہ دیا تھا کہ "حویلی میں کوئی ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے المیرا کو اچانک جانا پڑا۔" یوں ہاسٹل میں المیرا کی غیر حاضری کو کسی نے محسوس نہیں کیا تھا لیکن اتنی صبح نصرت خانم کی آمد پہ وہ بے حد حیران ہونے کے ساتھ ڈرسی گئی تھی۔ نصرت خانم چادر اوڑھے گاڑی میں براجمان تھیں۔

"السلام علیکم!" کنیز نے ڈرتے ہوئے سلام کیا۔ گاڑی میں دو بٹے کٹے گارڈ تھے۔ ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال رکھی تھی دوسرا فرنٹ سیٹ پہ براجمان تھا۔ پیچھے ملکانی نصرت خانم ٹھمطراق سے براجمان تھیں۔ ان کی گاڑی کے پیچھے گارڈز کی ایک جیپ تھی جس میں چار سے پانچ اسلحہ بردار موجود تھے۔ کنیز کی روح فنا ہونے لگی۔ اس کے سلام کے جواب میں فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے گارڈ نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول دیا۔

"بیٹھو!" ملکانی نصرت خانم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"بی بی جان وہ....." کنیز کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اب کے انہوں نے ترش لہجے میں کہا۔ کنیز ڈر کے بیٹھ گئی کہ شاید وہ کھڑے ہو کر بات کرنا پسند نہیں کررہیں۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی نے اسپیڈ پکڑ لی۔

"بی بی جان ہم کہاں جارہے ہیں.....؟ میری کلاس ہے۔" وہ بے حد ڈر گئی۔

"بہت لے لی کلاس اور بہت پڑھ لیا تو نے۔" ملکانی نصرت خانم کا لہجہ اور انداز کنیز کو پاگل کررہا تھا۔

"ہم حویلی جارہے ہیں چپ کر کے بیٹھی رہو۔ ہاسٹل فون کر کے کہہ دو تم کچھ دن کے لیے اپنے گھر جارہی ہو۔" ملکانی نصرت خانم نے سیل فون اس کی طرف بڑھایا۔

"لیکن بی بی جان....." وہ بری پھنسی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ آج سے پہلے اس کا ملکوں سے کبھی پالا نہیں پڑا تھا۔ المیر اسے دوستی کے ناتے وہ ان کے اچھے انداز سے واقف تھی۔ جو ملکانی نصرت خانم اس وقت تھیں وہ جابر جلاد لگ رہی تھیں اس نے ان کا شفیق روپ ہی دیکھا تھا۔

"جیسا کہہ رہی ہوں ویسا کرو۔" حتمی انداز پہ اس نے ان کے ہاتھ سے فون لیا اور ان کے کہے پہ عمل کرنے لگی۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے وہ بے خبر تھی۔

□.....□.....□

"بابا سائیں اور کب تک میں اس بلا کو اپنے سر پہ سوار رکھوں؟" چوہدری خداداد کال پہ آن لائن تھے۔ اس نے بھرپور انداز میں اپنی بے زاری کا اظہار کیا۔

"تو اتنا جلد باز کیوں ہے؟ ذرا دھیرج رکھ..... مزا لینے دے ملک رب نواز کی بے بسی کا..... اس کے بیٹوں نے تجھ پہ گولی چلانے کی جو حماقت کی اس سے بات مشہور ہوگئی کہ المیر اکسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔" چوہدری خداداد مزا لیتے ہوئے بولے۔

"منہ چھپا کے بیٹھے ہیں ملک رب نواز اور اس کے دونوں سپنولے۔" عائز نے تھکی سانس لی۔ اسے اس قصے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہر وقت المیر اکی موجودگی پہ اسے چڑ سی ہوگئی تھی۔

"اور تجھے کس نے کہا تھا دشمن کی بیٹی کو اپنی جان پہ کھیل کر چھوڑنے جا....." چوہدری خداداد کو اچانک یاد آیا تو پوچھ بیٹھے۔

"مجھے بس اس سے پیچھا چھڑانا تھا۔" اس نے ناگواری سے کہا۔

"وہ لوگ تو اس کے خون کے پیاسے بنے بیٹھے ہیں جس دن ہاتھ لگے گی' جان سے مار دیں گے۔" اس نے کچن کی طرف جاتی المیر اکا لہراتا آنچل دیکھا۔

"جان سے جاتی ہے تو جائے میری بلا سے..... میں چند دن اور اسے برداشت کروں گا' آپ جلد کوئی فیصلہ کریں۔" وہ سخت جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے' کرتا ہوں کچھ' تو اس لڑکی کے لیے ہی کچھ دن اور برداشت کرلے۔ اس کی جان کے لالے پڑے ہیں۔ ہم تو دشمن ہو کر بھی اس کے ساتھ رعایت کررہے ہیں' اس کے اپنے ہی اس کی جان کے درپے ہیں۔" وہ اسے سمجھا رہے تھے۔ وہ بے زار تھا۔

"اچھا بابا سائیں مجھے یونیورسٹی کے لیے نکلنا ہے دیر ہوجائے گی۔"

"چل ٹھیک ہے تو جا..... دھیان رکھنا اپنا۔" انہوں نے کال کاٹ دی۔ وہ بیگ اٹھا کر کمرے سے نکلا تو وہ اسے فریج سے پانی کی بوتل نکال کر پانی پیتی ہوئی ملی۔

اسے نظر انداز کر کے وہ مین گیٹ سے باہر نکل گیا۔ کئی لمحے دروازے میں کھڑ پٹر کی آواز آتی رہی۔ وہ باہر سے لاک لگا کر گیا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی میں کون سا بھاگنے کی کوشش کرتی۔ جن اپنوں کے بیچ زندگی کے اتنے سال گزارے جب انہیں مجھ پہ اعتبار نہیں' گولیاں چلاتے ذرا شرم نہ آئی تو اب میں بھاگ کر ان کے پاس جا کر بھی کیا کروں گی۔ زندگی مجھے اس مقام پہ لے آئی ہے جہاں ہر رشتے سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ میں دشمن کے گھر اکیلی اس کی دسترس میں ہوں لیکن مجھ پہ نظر ڈالنا بھی گناہ سمجھتا ہے' اچھا تو پھر یہ ہے جس سے نہ مجھے جان کا خوف ہے نہ عزت کے لٹنے کا۔" لکڑی کا دروازہ بند کرتے اس نے سچائی سے سوچا تھا۔ اب اسے خود کو مضبوط رکھنا تھا۔ وہ بزدل نہیں تھی جو مرنے کی کوشش کرتی ہاں جذبات میں آ کر اس نے پسٹل اٹھا ضرور لیا تھا مگر اب وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنے کا تہیہ کر چکی تھی' وہ اپنی زندگی اب خود بنائے گی' اپنے باپ بھائی کے ہاتھوں کٹھ پتلی نہیں بنے گی۔

خود سے عہد کرتے اس نے پورے فلیٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا' ایک کمرا اس کے زیر استعمال تھا۔ دوسرا کمرا غالباً ڈرائنگ روم تھا جس میں صوفے اور کشن کا خوب صورت کمبینشن تھا۔ تیسرا کمرہ عائز کا تھا جو لاک تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ بڑے سے لاؤنج میں صوفے تھے' لاؤنج سے ہی ملحقہ کچن کے ساتھ بلیک کلر کی خوب صورت ڈائننگ میز تھی۔ عورت کے نہ ہونے کے باوجود ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں آئرن اسٹینڈ پہ اسے دھلے اور استری کیے کپڑوں کا ڈھیر نظر آیا' غالباً لانڈری سے آئے رکھے تھے۔ اس نے خود پہ ایک نظر ڈالی' تین دن سے وہ انہی کپڑوں میں تھی' اس کے پاس دوسرا جوڑا بھی نہیں تھا۔

"شاور لے کر اس کے کپڑے پہن لیتی ہوں۔ اس کے آنے تک میرے کپڑے سوکھ بھی جائیں گے۔" زیر لب بڑبڑاتے اس نے کپڑوں کا جائزہ لینا شروع

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا' کینیڈا' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

مڈل ایسٹ' ایشیائی' افریقہ' یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ' منی آرڈر' منی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبرز: +922-35620771/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

کردیا۔ شلوار سوٹ کے ساتھ ٹی شرٹ' جینز اور شرٹ دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

''محترم پکے چوہدری نہیں لگتے۔'' اس نے بلو جینز اور اسکائی بلو ٹی شرٹ اپنے لیے منتخب کی اور جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔

''یا وحشت کیا عذاب ہے؟'' فرش ہو کر نکلی تو بھوک لگی اور وہ کچن میں آ گئی۔ ناشتے کے گندے برتن پڑے تھے جو اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ ناشتا کر کے گیا ہے۔ وہ اپنے لیے ناشتا تیار کرنے لگی۔

فریج میں فروٹ' گوشت' ضروری سبزیاں سب موجود تھیں۔ ''کھانا پکانا' صفائی ستھرائی یہ شخص خود ہی کرتا ہے کیا؟'' حیران ہوتی وہ ناشتا کر رہی تھی۔ بریڈ پہ بٹر لگا کر اس نے ایل ای ڈی آن کی۔ ناشتے سے فارغ ہوئی تو سائیڈ پہ لگے کتابوں کے ریک تک آئی۔ ادبی کتابوں کا ذخیرہ تھا کچھ کورس کی کتابیں بھی تھیں جنہیں لے کر وہ صوفے پہ آ گئی۔

''شاید محترم MBA کر رہے ہیں۔'' اس نے کتابوں سے اندازہ لگایا۔

''پہلے کچھ پکا لیتی ہوں۔'' اس خیال سے اس نے فریج کا جائزہ لیا۔ فریج میں دہی بھی نظر آ گیا تو اس نے بریانی پکانا شروع کر دی۔

وہ کتابیں لے کر ریک پہ رکھنے کے ارادے سے کھڑی ہوئی تھی کہ اگلے ہی لمحے عائز عالیان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ کھلے بالوں میں صوفے پہ چڑھی بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی۔

وہ اپنی جگہ جم سی گئی۔ شانے پہ جھولتی ٹی شرٹ کو ایک ہاتھ سے قابو کرتے' دوسرے ہاتھ میں موجود کتابوں کو سینے سے لگاتے شرمندگی سے ڈوب مرنے کا سوچ رہی تھی۔ وہ دروازے کے لاک پہ ہاتھ رکھے آدھا اندر آدھا باہر حیرت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ عائز نے اس کے ہاتھ میں موجود کتابوں کو دیکھا اور پلٹ کر گیٹ لاک کرنے لگا۔ یہی پل المیرا کے لیے نجات کا پل تھا۔ اس کی نظروں کی گرفت سے نکلتے اس نے دھڑ سے پیر زمین پہ رکھے اور تقریباً بھاگ کر اپنے زیر استعمال کمرے میں گھس کر اس نے دروازہ بند کر کے اس سے پشت ٹکا لی تھی۔

''کیا سوچتا ہوگا' کیسے فضول حلیے میں تھی میں۔'' اس نے ٹانگوں سے نکلتی جینز کو غصے سے گھورا۔ کتابیں بیڈ پہ پھینک کر بالکنی کی طرف بڑھی۔ کپڑے ابھی بھی نم تھے اس نے کھینچ تان کر کپڑے تار سے اتارے اور واش روم میں گھس گئی۔ اس کے کپڑوں کو دھو کر تار پہ پھیلا کر بھی وہ کافی دیر تک مارے شرمندگی کے نہیں نکلی۔ اچانک دم پہ رکھی بریانی کی یاد آئی تو وہ خاموشی سے نکل آئی کہ بریانی جل نہ جائے مگر عائز کو کچن کے پاس دیکھ کر وہ دروازے پہ ہی کھڑی ہوگئی۔

عائز نے برنر بند کر دیا تھا۔ نان اسٹک پتیلی کا ڈھکن ہٹا کر اس نے چیک کیا کہ کیا ہے؟ بریانی سے اٹھتی خوشبو اور اس کی شکل دیکھ کر اس کے چہرے پہ ایک لمحے کے لیے پہلی بار خوشگوار رنگ المیرا کو نظر آئے۔ بریانی اس نے ٹرے میں نکالی پلیٹ چمچہ لے کر ڈائننگ میز پہ رکھا اور بیٹھ گیا۔ حسب عادت ایل ای ڈی آن ہو چکا تھا' المیرا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کھڑی رہے یا واپس کمرے میں چلی جائے۔ بریانی کی خوشبو سے بھوک اور چمک اٹھی تھی۔

''کب تک کھڑی نظر لگاؤ گی' اپنا کھانا لے کر آ جاؤ۔''

وہ اس کی موجودگی محسوس کر چکا تھا۔ آدھی سے زیادہ ٹرے خالی ہو چکی تھی۔ ٹرے اس کی طرف بڑھاتے اس نے کہا تو اس سے شرمندگی سے نظر نہ اٹھائی گئی۔ اس نے خاموشی سے ٹرے لی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے لہراتے آنچل کو اس نے بغور دیکھا تھا۔

□.....□.....□

''بتا لڑکی کہاں ہے المیرا؟'' کنیز حویلی میں موجود تھی' ملک رب نواز' ملک ہمایوں' ملک جعفر' کشمالہ اور ملکانی نصرت خانم کے گھیرے میں وہ مجرم بنی کھڑی تھی۔

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔ اسے ان کے بیچ بہت ڈر لگ رہا تھا۔

"لڑکی جھوٹ نہ بول۔" ملک رب نواز دھاڑا۔ وہ سہم کر رونے لگی۔

"میرا یقین کریں، ہم ایکسپو سینٹر کتابیں دیکھنے گئے تھے وہاں کسی بچے نے اسے کوئی پیغام دیا تو وہ باہر چلی گئی۔ مجھے بھی بتا کر نہیں گئی۔" کنیز روتے ہوئے سچ کہہ رہی تھی۔

"آیا ہوگا اس کا یار ملنے۔" ملک ہمایوں دھاڑا' کنیز حیرانی سے اسے دیکھنے لگی' اپنی سگی بہن کے لیے وہ کیسے لفظ استعمال کر رہا تھا۔

"کس سے چکر چل رہا تھا المیرا کا۔ تُو تو اس کی سہیلی تھی' اس کے کمرے میں رہتی تھی' تجھے سب پتا ہوگا۔ سچ بتادے ورنہ بہت برا حشر ہوگا تیرا۔" ملک جعفر اسے خونی نظروں سے گھور رہا تھا' کشمالہ کے چہرے پہ افسوس تھا' اسے کنیز پہ ترس آرہا تھا۔

"المیرا کا کسی سے کوئی چکر نہیں تھا' وہ اس مزاج کی نہیں ہے' اس نے بتایا تھا مجھے اس کی منگنی چار سال پہلے ہوچکی ہے۔" کنیز کو اپنی جان کی فکر تھی لیکن اسے المیرا کے لیے بھی بہت افسوس ہو رہا تھا۔ اس کے اپنے اس سے بدگمان تھے۔

"یہ ایسے نہیں بولے گی بتا سچ کیا ہے؟" ملک جعفر نے آگے بڑھ کر کنیز کے منہ پہ تھپڑ مارا۔ وہ کشمالہ کے پاس جاگری۔

"رُک جاؤ جعفر۔" وہ اس کی طرف دوبارہ بڑھا تو نصرت خانم نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ کشمالہ نے اپنے پیروں پہ سسکتی کنیز کو اٹھایا' اس کے چہرے پہ انگلیاں چھپ گئی تھیں۔ اسی دم رضیہ نے ملک ممتاز اور ملک احتشام کی آمد کی اطلاع دی۔ سب کے چہرے پہ ٹینشن آگئی۔

"کیا کرنا ہے ملک صاحب؟" ملکانی نصرت خانم کو پریشانی لاحق ہوئی۔ وہ بھائی اور بھتیجے کا سامنا کیسے کریں۔ دقت ہو رہی تھی۔

"چھپ کے تو نہیں بیٹھ سکتے...... اس لڑکی نے جتنی ذلت دی ہے اسے اتنا سسکا سسکا کے ماروں گا' اکلوتی لڑکی تھی خاندان کی کتنے نخرے اٹھائے مگر کالک مل گئی۔" ملک رب نواز بپھرے ہوئے تھے۔

"لے آؤ دونوں کو۔" ملک رب نواز کے حکم پہ رضیہ انہیں لینے چلی گئی۔

"کشمالہ لے جا اسے...... اس سے تو میں بعد میں نبٹتی ہوں۔" ملکانی نصرت خانم نے کنیز کی طرف اشارہ کرکے بہو کو حکم دیا۔ کشمالہ اس کی جان چھوٹنے پہ شکر کرتی اسے لے کر کمرے سے نکل گئی۔

"سلام بھرا!" ملکانی نصرت خانم آگے بڑھی تھیں۔

ملک ممتاز اور ملک احتشام داخل ہوئے' جعفر اور ہمایوں ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے۔ ملک ممتاز ملک کے نامور وکیل تھے۔ سیاسی لوگوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ ملک رب نواز نے سالے کی بدولت ایک سیاسی پارٹی جوائن کرلی تھی۔ ملک ممتاز خشک انداز سے ملے۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں کہ المیرا کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے؟" وہ غصے میں تھے۔ ملک احتشام کے تیور بھی بگڑے ہوئے تھے۔ وہ المیرا کا منگیتر تھا' المیرا کو بہت پسند کرتا تھا مگر المیرا اسے خاص پسند نہیں کرتی تھی۔ منگنی ہوئی تو اس نے کچھ نہیں کہا کہ عورتوں کو کچھ بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ ملک احتشام اسے اکثر فون کرتا تھا' اکثر وہ کال ریسیو نہیں کرتی تھی' کبھی لیتی تو بے دلی سے بات کرتی تھی۔

"ہمیں بھی کچھ علم نہیں ہے۔" ملک رب نواز بڑے سالے کے اثر ورسوخ سے تھوڑا دبتے تھے۔ جب کبھی قانونی پیچیدگیوں میں پھنستے تو ملک ممتاز ہی جوڑ توڑ کرکے انہیں بچاتے تھے۔ پچھلے دنوں ملک جعفر نے دوسرے گاؤں کے بندے کو معمولی بات پہ گولی ماردی تھی۔ بات میڈیا تک چلی گئی تھی۔ مگر ملک ممتاز نے بیچ میں پڑ کے معاملے کو ٹھنڈا کیا تھا۔ چینل کا منہ بھی بند کیا تھا۔

"ہمیں چوہدری خداداد پہ شک ہے ماموں۔" ملک ہمایوں نے کہنا شروع کیا۔

چوہدری خداداد پہ ہو یا المیر اخود کسی کے ساتھ بھاگی ہو' میرے بیٹے کا کیا..... یہ تو تماشا بن گیا نا۔'' ملک ممتاز دھاڑے۔

''آپ لوگوں کا اپنی بہن بیٹی پہ کنٹرول نہیں تھا اور آپ گاؤں چلا رہے ہیں دشمنی نبھا رہے ہیں۔'' ملک احتشام زہر خند ہوا۔ ملک ہمایوں اور ملک جعفر کو برا تو بہت لگا مگر وہ غصہ پی گئے کہ یہی عقل مندی کا تقاضا تھا۔ ملک ممتاز اور جانے کیا کیا کہہ رہے تھے' ملک رب نواز نے ملکانی نصرت خانم کو اپنے بھائی کو ٹھنڈا کرنے کا اشارہ کیا۔

□.....□.....□

اگلی صبح بھی اس کی یہی روٹین رہی' بیگ اٹھا کر چلا گیا اور ایک بجے تک لوٹ آیا۔ المیر اکل کی طرح آج بھی کھانا پکا چکی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں فریش ہونے چلا گیا' تو المیر انے خاموشی سے کھانا میز پہ لگانا شروع کر دیا۔ نہ وہ جانتا تھا کہ اسے کب تک برداشت کرنا ہے نہ وہ سوچ سکتی تھی کہ یہاں سے نکل کر کہاں جائے گی۔ بہت سوچنے کے باوجود بھی اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ خود کو سخت بے بس محسوس کر رہی تھی۔

وہ فریش ہو کر باہر آیا تو وہ میز پہ بچے کھانے کی خوشبو سے سیدھا میز تک آیا۔ چکن کڑاہی' سلاد اور گھر کی روٹی دیکھ کر اس نے بے ساختہ المیر اکو گہری نظروں سے دیکھا۔ دوپٹہ سر پہ لیے وہ گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی۔ چہرے پہ اداسی نے مستقل ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ ڈائمنڈ کی چمکتی چھوٹی سی نوز پن اس کے ستواں ناک کی خوب صورتی کو بڑھا رہی تھی۔ بلاشبہ وہ خیرہ کن حسن رکھتی تھی۔

''تم اپنے لیے پکا لیا کرو' میرے لیے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے دشمنوں کا احسان لینے کی عادت نہیں۔'' وہ چیئر پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ المیر انے اسے دیکھا۔ وہ آج بھی اتنا ہی مغرور نظر آ رہا تھا۔

''میں صرف زندہ رہنے کے لیے کھا رہی ہوں اور ایک اپنے لیے کیا پکاؤں۔ احسان کیسا چیزیں تو آپ کے پیسوں کی ہیں..... احسان تو مجھ پہ آپ کا بڑھتا جا رہا ہے۔ جو آپ نے مجھے یہاں آزادی سے رہنے دیا ہوا ہے۔''

وہ پوری سچائی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بول رہی تھی۔ حقیقتاً اس کے اچھے انداز نے اسے گرویدہ کر لیا تھا۔ دروازہ لاک کرنے کے بعد بھی وہ چوکنی سوتی تھی مگر عائز عایان واقعی مرد تھا' ایسا مرد جو مضبوط کردار کا تھا۔ اسے گہری نظروں سے دیکھتے اس نے پلیٹ میں چکن کڑاہی نکالی روٹی توڑ کر نوالہ منہ تک لے گیا۔ المیر ا اسی پہ نظریں جمائے کھڑی تھی۔

''اب کیا تمہیں روز دعوت دینی پڑے گی؟'' المیر ا جلدی سے بیٹھ گئی۔ اپنی اپنی سوچوں میں گم وہ کل کی طرح کھانا کھا رہے تھے۔

''میں آفس چلا جاؤں گا۔ تم اچھی طرح اندر سے بھی لاک کر لینا..... ویسے میں باہر سے بھی لاک لگا کر جاؤں گا۔'' کھاتے ہوئے وہ اسے ہدایت دے رہا تھا۔

''آفس؟'' اس نے حیرانی سے دہرایا۔

''کیوں کبھی آفس کا نام نہیں سنا؟'' وہ چڑا۔

''نہیں آپ شاید پڑھتے ہیں تو.....'' وہ شرمندہ ہوئی۔

''تمہاری وجہ سے گھر آ رہا ہوں' ورنہ میں یونیورسٹی سے ڈائریکٹ آفس جاتا ہوں۔ بزنس ہے لیدر جیکٹس کا۔'' وہ جانے کیوں اسے تفصیلات بتا رہا تھا۔

''تمہاری سیفٹی کے لیے کہہ رہا ہوں لاک رکھنا..... تمہارے گھر والے پاگلوں کی طرح تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ تمہاری سہیلی کنیز سے بھی پوچھ گچھ ہوئی ہے..... تمہارا منگیتر چراغ پا ہے' تمہارے نام نہاد عاشق کو کتوں کے آگے ڈالنے کی بات کر رہا ہے۔'' پانی کا گھونٹ بھرتے وہ اسے معلومات دے رہا تھا۔ اتنے دنوں بعد جانے پہچانے لوگوں کے متعلق سن کر اس کے چہرے پہ کئی رنگ آئے تھے۔ خصوصاً کنیز کا سن کر اسے افسوس ہوا تھا۔ جانے وہ لوگ اس سے کیسے پیش آئے ہوں گے۔

''کنیز ٹھیک تو ہے؟'' اسے فکر ہوئی۔ اس نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔

''کھانا اچھا پکاتی ہو۔'' جانے کیسے اس کے منہ سے نکل گیا۔ اپنے برتن اٹھا کر وہ کچن میں رکھنے چلا گیا۔ المیر انے اس انوکھے مرد کو دیکھا تھا' اپنی اب تک کی زندگی میں اس کی نظروں سے ایسا مرد نہیں گزرا تھا۔ اس کے گھر کے مرد تو سامنے پڑا گلاس بھی اٹھوا کر پانی پیتے تھے۔ وہ اپنے برتن اور باقی بچا سالن اٹھانے لگی۔ چائے نکال کر لائی تو وہ چینج کر کے آ چکا تھا۔ المیر ااس کی کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا۔ آخری سال تھا حقیقتاً اسے اپنا خواب ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

''یہ تمہارے لیے.....'' بیگ اس کے سامنے رکھ کر اس نے مگ اٹھایا۔ المیر انے حیران ہو کر پہلے اسے پھر شاپنگ بیگ کو دیکھا۔

''دیکھ لو اندازے سے لیے ہیں۔ چینج کروانا ہے تو ابھی بتا دو۔ بعد میں نہیں کروں گا۔'' اس کے بات کرنے کا انداز نرالا تھا۔ ہر بات میں دھمکی ہوتی تھی۔

المیر انے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ اس میں سے کئی ریڈی میڈ سوٹ نکلے۔ جو خوب صورت اور دیدہ زیب تھے۔ المیر ااس مہربانی پہ تشکر سے دیکھنے لگی۔

''یہ صرف اس لیے لایا ہوں کہ تم میرے کپڑوں میں گھسنے کی دوبارہ کوشش نہ کرو۔'' جتاتا ہوا لہجہ تھا۔ اس نے کپڑے بیگ میں ڈال لیے۔

''وہ میرے کپڑے میلے.....''

''میں نے صفائی نہیں مانگی۔'' ہاتھ اٹھا کر اس نے بولنے سے روک دیا' المیر انے نظریں کتابوں پہ جما دیں۔ کچھ ایسے رنگ تھے حسرت کے اس کے چہرے پہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نظروں کی کھوج میں لگ گیا۔

''شاید اسے پڑھنے کا شوق ہے۔'' کتابوں پہ اس کی نظروں کا ارتکاز دیکھ کر وہ سوچ کے رہ گیا۔

''کتنی جماعتیں پڑھی ہیں تم نے؟'' جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھا۔ شاید اس کی حسرت کو دیکھتے۔

''MBBS کے لاسٹ ایئر میں ہوں۔'' المیر انے دھیرے سے کہا۔

''ہیں.....!'' چائے جیسے اس کے گلے میں پھنس گئی۔ قریب رکھے ٹشو باکس سے اس نے کئی ٹشو نکال کر ہاتھ صاف کیا جس پہ چائے گر گئی تھی۔ المیر احیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''سوری ایکچولی تم شکل سے میڈیکل فیل لگتی ہو تو.....'' اس کے لبوں پہ پہلی بار مسکراہٹ آئی تھی۔ المیر انے اتنے دنوں میں پہلی بار اسے مسکراتے دیکھا تھا لیکن اس کی بات پہ برا بھی لگا' وہ خفگی جتاتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارا MBBS تو کھٹائی میں جاتا لگ رہا ہے۔'' مگ رکھتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''گیٹ لاک کر لو۔'' نکلتے ہوئے وہ بولنا نہیں بھولا۔

□.....□.....□

عائشے گل کی بے چینی کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ سب جانتے تھے کہ وہ عائز کے لیے کتنی پاگل تھی' ایسے میں وہ جب سے المیر اکو ساتھ لے کر گیا تھا اس کا کھانا' پینا' سکون سب ختم ہو گیا تھا۔ آج بھی بے چینی سوا ہوئی تو وہ حویلی چلی آئی۔ قدسیہ بانو کے گھٹنوں پہ سر رکھے رونے لگی تھی۔

''تائی جی آپ کچھ بھی کر کے عائز کو وہاں سے بلوا لیں' ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔''

''نی کڑیے تو جھلی ہو گئی ہے..... یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تُو نے؟'' قدسیہ بانو نے اس کا سر اوپر کیا۔

''تو عائز کی بچپن کی منگ ہے۔ اسے تجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ کل بھی عائز کی کال آئی تھی وہ تو خود جھنجلایا ہوا ہے۔ دو ماہ ہونے کو آئے ہیں مگر تُو حالات دیکھ رہی ہے' پچھلے دنوں شک کی بناء پر پنچایت نے حویلی کی تلاشی بھی لی۔ چوہدری ولی قاسم نے جو بے وقوفی کی اس کی وجہ سے نہ صرف ہم بلکہ المیر اکی زندگی بھی داؤ پہ لگ گئی ہے۔ مجھے تو اس بچی پہ ترس آ رہا ہے' کہاں جائے گی' کیا کرے گی..... اگر وہ اپنے گھر والوں کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے چوہدری ولی قاسم کا نام لے لیا تو تُو جانتی ہے کیسی خونریزی ہو گی۔'' قدسیہ بانو الگ پریشان تھیں۔

حویلی میں المیر اکو لے کر کشیدہ صورت حال تھی۔ زرتاشہ' نرگس' رابعہ سب کو المیر اکے اغوا پہ افسوس تھا' عورت ہونا جرم بن گیا تھا' دونوں حویلیوں میں..... عائشے گل محبت کے ہاتھوں مجبور تھی تب ہی قدسیہ بانو کے آگے رونے لگی تھی۔

''جب تیرے لیے عائز عایان اتنا ہی ناقابل اعتبار ہے تو تُو اسے ایک بار ہی رو لے۔''

عائز حویلی آیا تھا۔ قدسیہ بانو کے کمرے میں آیا تو اس نے عائشے گل کو رو رو کے دہائی دیتے سن لیا۔ قدسیہ بانو اور عائشے گل اسے اچانک دیکھ کر چونکیں۔

''نہ بیٹا یہ بے چاری تو محبت کی ماری ہے۔'' قدسیہ بانو نے سائیڈ لی۔

''بھاڑ میں جائے ایسی محبت جس پہ اعتبار نام کی چیز ہی نہ ہو۔'' اس نے برہمی سے عائشے گل کو دیکھا۔ عائشے گل سیدھی کھڑی ہوگئی۔

''چل تو بیٹھ کب آیا حویلی؟'' قدسیہ بانو نے اسے ساتھ بٹھالیا۔

''ابھی..... بابا سائیں سے دوٹوک بات کرنے آیا ہوں۔'' عائشے گل کو گھورتے ہوئے کہا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''چوہدری صاحب تو ضروری کام سے گجرات گئے ہیں تھوڑی دیر پہلے شاید کل تک لوٹیں۔'' قدسیہ بانو نے ان کا پروگرام بتایا۔

''کیا سوچا ہے بابا سائیں نے اس لڑکی کے لیے؟'' وہ جاننا چاہتا تھا۔

''اسی کام کے سلسلے میں گئے ہیں' گجرات میں ان کے خاص دوست کا گھر ہے۔'' قدسیہ بانو کہہ رہی تھیں' رضیہ دروازہ بجا کر نمودار ہوئی۔

''چوہدرائن..... گاؤں کی کچھ عورتیں اپنا مسئلہ لے کر آئی ہیں' آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' رضیہ پیغام لے کر آئی تھی۔

''ٹھیک ہے انہیں بٹھا میں آتی ہوں۔''

''تو رکے گا نا رات؟'' قدسیہ بانو نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں نکلوں گا..... وہاں وہ اکیلی ہوگی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ المیر اکے لیے فکرمندی دکھا گیا۔ عائشے گل نے ایک گلہ آمیز نظریں اس پہ جمادیں۔

''گھر میں ہی ہوگی..... تو کب تک اس کی رکھوالی کرے گا؟ اس کے گھر والوں کو اس سے محبت نہیں تو ہم کیوں پریشان ہوں۔ تو رات حویلی میں رک رہا ہے۔ رات کا سفر مجھے یوں بھی پسند نہیں۔ عائشے گل اس کے کھانے پینے کا انتظام کر۔'' قدسیہ بانو دوپٹا سنبھالتی کمرے سے چلی گئیں۔ کمرے میں اب دونوں رہ گئے تھے۔

''تو ناراض ہے مجھ سے؟'' عائشے گل انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی۔

''نہیں بہت خوش ہوں تجھ سے۔ مجھے نظر آ گیا ہے تو کتنی اچھی بیوی بنے گی۔'' اس نے لگی لپٹی نہ رکھی۔ عائشے گل تڑپ گئی۔

''میں تجھ سے بہت محبت کرتی ہوں تو سمجھتا کیوں نہیں۔'' اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔ عائز اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

''تو چل ابھی نکاح پڑھا لے مسجد میں چل کے اور چل میرے ساتھ رہنے۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ آگے بڑھنے لگا۔ عائشے گل کے قدم جم سے گئے۔ وہ استہزائیہ مسکراہٹ سجا کر اسے دیکھنے لگا۔

''رک کیوں گئی..... کہاں گئی تیری محبت' رسم و رواج کو سوچنے لگی؟'' عائشے گل نے نظریں چرالیں۔

''محبت کرنے والے سوچتے نہیں ہیں نفع نقصان سے پرے فیصلہ کرتے ہیں' آئندہ میرے سامنے محبت کا ڈھنڈورا نہ پیٹنا۔'' اس کا ہاتھ جھٹک کر چلا گیا۔

□.....□.....□

المیر ادیوار گیر گھڑی کو دیکھ رہی تھی۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ ایسی لمبی رات تھی کہ سحر نہیں ہو رہی تھی۔ وہ صبح

ے بعد ہی حویلی کے لیے نکل گیا تھا۔ رات لوٹ آنے کا کہہ کر گیا تھا۔ مگر اب رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے دروازہ اچھی طرح لاک کر کے اپنا کمرا بھی لاک کرلیا تھا۔ لیکن خالی گھر سے اسے خوف آ رہا تھا۔ جب وہ ہوتا تھا تو ہزار پریشانی مستقبل کے ڈراؤ نے خواب کے باوجود اسے پُرسکون نیند آ جاتی تھی۔ وہ ایک بار پھر لاؤنج میں نکل آئی۔ اس کے کمرے کا ناب گھمایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ کئی لمحے دہلیز پہ کھڑی وہ اندر جانے نہ جانے کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ اپنا کمرا ہمیشہ لاک رکھتا تھا' آج جانے کیسے بھول گیا تھا۔ اس نے کمرے کی لائٹ جلائی۔

وہ جیسے کسی شہزادے کی خواب گاہ تھی۔ بہت بڑا کمرا تھا۔ عالیشان بیڈ اس کے اردگرد لگے پردے۔ دلفریب خوش بو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا جو اس کے وجود سے بھی اٹھتی تھی۔ رنگ برنگے خوب صورت کشنز سرہانے دولائنوں میں خوب صورتی سے رکھے ہوئے تھے۔ اکمیرا کئی لمحے تک مبہوت کھڑی رہ گئی۔ پھر اس نے کمرے میں قدم رکھ دیا۔ چیزوں پر سے ہوتی اس کی نظر سائیڈ پہ رکھے فون پہ پڑی۔ اسے بے ساختہ ملکانی نصرت خانم کا خیال آیا۔ مہینوں وہ سب سے کٹی ہوئی تھی۔ باہر بھی نہیں نکلی تھی۔ بس ایک عائز کی شکل اور اس کی کڑوی کسیلی باتیں ہی ہوتی تھیں جو سماعت میں جاتیں تو اسے احساس ہوتا کہ وہ ابھی اس حس سے محروم نہیں ہوئی۔ وہ خود کم گو تھی مگر اب تو بولنے کو ترس گئی تھی۔ اغوا کرنے والوں نے اس کا فون جانے کہاں پھینک دیا تھا۔ اور آج فون دیکھ کر وہ خود کو روک نہ پائی' کیا معلوم اس کے اپنوں کو اس کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہو۔ اس نے بے ساختہ ملکانی نصرت خانم کی خواب گاہ کا نمبر ملایا تھا۔ کئی بیل کے بعد فون اٹھا لیا گیا تھا۔

''کون؟'' ملکانی نصرت خانم کی پُرتکبر آواز سنائی دی۔

''بی بی جان!'' مہینوں بعد ماں کی آواز سن کر اس کے آنسو نکل پڑے۔

''اکمیرا؟'' دوسری طرف ملکانی نصرت خانم بے یقین تھیں۔

''جی بی بی جان آپ کی اکمیرا... جس پہ آپ لوگوں نے اعتبار نہیں کیا.....'' وہ رو رہی تھی' گلہ کر رہی تھی۔

''کہاں ہے تو' کس کے ساتھ بھاگی ہے' تجھے ہمارے منہ پہ کالک ملتے ذرا شرم نہ آئی؟'' نصرت خانم کے سوال پہ اس نے لب کاٹے' وہ لوگ آج بھی یہی سوچ رہے تھے کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔

''میں ٹھیک ہوں' آپ لوگ میری فکر نہ کریں۔'' اس نے صفائی دینے کی کوشش نہیں کی۔ اور ریسیور رکھ دیا۔ اسے حقیقتاً اپنی ذات پہ لگا الزام دکھ دے رہا تھا۔

''میں حویلی نہیں جاؤں گی۔ یہاں کبھی نہیں رہوں گی۔'' بے دردی سے آنسو پونچھتی وہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کر رہی تھی۔ چھٹی کے دن جب وہ گھر پہ رہتا تب وہ چپکے سے نکل سکتی تھی' اگلا دن اتوار ہی تھا۔ اس نے ایک بیگ میں کچھ ضروری چیزیں اور عائز کے لائے کپڑے بھرے اور اسے بیڈ کے نیچے چھپا دیا۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ نماز پڑھ کر چائے کی طلب ہوئی تو چائے پکا کر اس نے ایل ای ڈی آن کیا۔ نیند نے تو جیسے نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔ چینل سرچنگ کرتے میوزک چینل پہ روک دیا۔ دل موہ لینے والا گانا چل رہا تھا۔

دروازے کے اس پار کھٹ پٹ ہوئی تو وہ سرعت سے اٹھ کر دروازے تک آئی۔ لکڑی کا دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر لوہے کی جالیوں سے اس سے ملی تھیں۔ وہ بھی اتنی کو ئیک سروس پہ حیران اسے دیکھ رہا تھا۔ اگلے لمحے وہ باہر سے لاک کھولنے لگا' اکمیرا نے پہلے ہی اندر سے لاک کھول دیا تھا۔ وہ سائیڈ پہ ہو گئی' وہ اندر آ گیا۔

آدھی ادھوری اس داستان میں
کیسے کوئی رنگ لائے
کیسے کوئی مسکرائے
اتنے غموں میں دو پل خوشی کے
کیسے بھلایا جائے
تم کو بھلا نہ پائے

اک پیاسی پیاسی بوند میں جو من میرا جلا
ہر لمحہ تیری یادوں سے تھا یہ بھرا
اک آدھی آدھی آس تھی جو پوری ہوگئی
تم مل گئے تو جانے کیوں یہ دوری ہوگئی
پیالا گے نا جیالا گے نا تیرے بنا تیرے بناء

وہ اپنی جگہ سا کت کھڑی رہ گئی تھی۔ آگے بڑھ کر ایل ای ڈی بند کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ عائز عایان نے ایل ای ڈی پہ اک نظر ڈال کر دوسری اس پہ ڈالی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایل ای ڈی کا والیم کم کر کے چینل تبدیل کر دیا۔ کیبل میں چائے موجود تھی۔ چائے گرم کر کے مگوں میں ڈال کر وہ شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔ وہ باہر نہیں آیا تھا' کچھ دیر انتظار کرتی رہی پھر اس نے ہمت کر کے دروازے پہ دستک دی۔

''واٹ؟'' دروازہ کھول کر سامنے کھڑا تھا۔ چینج کر کے شاید لیٹ گیا تھا۔ آنکھوں کے ڈورے گلابی ہو رہے تھے۔ شاید لمبے سفر سے زیادہ تھکاوٹ ہوگئی تھی۔ اس لیے دستک پہ برہم تھا۔

''وہ میں نے چائے بنائی تھی..... تو.....'' المیرا اس کے خشک لہجے اور برہم تیوروں پہ گڑبڑا گئی۔

''میں نے کہا ہے آپ میری خدمت پہ مامور ہیں؟'' عجیب جلا بھنا لہجہ تھا۔ ''نہیں چاہیے جاؤ۔'' دھڑ سے دروازہ منہ پہ بند کر دیا تھا۔ المیرا ڈر کے پیچھے ہٹ گئی۔ اکثر و بیشتر وہ اسی لہجے میں بات کرتا تھا مگر جانے کیوں اس کے آنسو نکل آئے۔

وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ وہ اس پہ مسلسل مسلط ہے۔ اس کی عزت نفس مجروح ہوئی تھی یا شاید آنسو اس لیے نکلے تھے کہ اس نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

یہاں سے نکل کر وہ کہاں جائے گی' کیا کرے گی؟ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ مگ کچن کی شیلف پہ رکھ کر وہ اپنے زیر استعمال کمرے میں آ گئی۔ بیڈ پہ بیٹھ کر اس نے اپنے آنسو پونچھے۔ وہ پڑھی لکھی باشعور لڑکی تھی۔ مہینوں دشمن کے گھر رہ رہی تھی مگر وہ کیا کرتی کہ اس کے اپنے ہی اس کے دشمن بن گئے تھے۔ انسان باہر کے دشمنوں سے لڑ سکتا ہے لیکن جب اپنے سگے اپنا خون آنکھیں بدل لے تو انسان اندر سے ختم ہو جاتا ہے۔ وہ بھی شاید اندر سے اسی وقت ڈھے گئی تھی جب اس کے بھائیوں نے اسے جان سے مارنے کے لیے گولی چلائی تھی۔ گولی جسم پہ تو نہیں لگی' روح میں ضرور پیوست ہوگئی تھی۔ اب اس نے چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اندر سے لاک نہیں لگاتا تھا' وہ جان گیا تھا کہ وہ بھاگ کر جائے گی بھی کہاں یا شاید وہ خود چاہتا تھا کہ وہ بھاگ جائے تاکہ اس کی پریشانی ختم ہو' اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس دہلیز کو پار کر کے وہ سواری کو پیسے کہاں سے دے گی؟ کہاں سے کھائے گی؟ جس طرح عائز نے منہ پہ دروازہ بند کیا تھا وہ اسے بہت محسوس ہوا تھا۔ پہلے بھی وہ ترخ کر بات کرتا تھا مگر اتنا انسلٹنگ رویہ نہیں ہوتا تھا۔ یقیناً وہ فیڈ اپ ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ خود ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیتا اس نے خود ہی چلے جانا مناسب سمجھا۔

''اتنا بڑا فیصلہ کر لیا' لیکن جاؤں گی کہاں؟'' اس کے اندر سے آواز آئی۔

''اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔'' خود کو بہلاتے اس نے بیڈ کے نیچے سے بیگ نکالا۔ واش روم میں جا کر منہ پہ پانی کے چھپاکے مارے' چہرہ خشک کرتے اس نے چادر اٹھائی۔

اسی وقت دروازے کی ڈور بیل بجی۔ اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے دودھ والا اسی وقت آتا تھا۔ چادر رکھ کر اس نے دوپٹا لیا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے کوئی نظر نہ آیا تو اس نے حیرت سے لوہے کا دروازہ بھی کھول دیا کہ شاید دودھ والا نیچے فلور پہ ہے۔ اس نے سر باہر نکال کر جھانکا اگلے ہی لمحے اس کی روح فنا ہوگئی' ملک ہمایوں اور ملک جعفر اچانک سامنے آئے تھے۔ ملک جعفر نے اسے اندر دھکیلا۔ ملک رب نواز اور ان کے کئی آدمی بھی اندر گھس آئے تھے۔

"تو یہاں چھپی بیٹھی تھی اپنے یار کے ساتھ؟" ملک جعفر نے آگے بڑھ کر اسے تھپڑ مارا۔ المیرا کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔ وہ سیدھی عائز کے کمرے کے بند دروازے سے ٹکرائی تھی۔

پھر مانوس آواز پہ عائز کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سرعت سے کمبل پھینک کر بیڈ سے جمپ لگا کر سائیڈ دراز سے دونوں پسٹل نکال لیے۔

"کہاں ہے تیرا یار؟" باہر سے چنگھاڑتی آواز آئی ساتھ ہی تھپڑ کی آواز گونجی۔ وہ پہچان گیا تھا کہ یہ ملک ہمایوں کی آواز تھی۔ عائز نے کمرے کا لاک کھول دیا۔ اسی وقت ملک ہمایوں نے دروازے پہ پوری قوت سے لات ماری تھی مگر دروازہ کھلا ہونے کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ عائز نے پھرتی سے ملک ہمایوں کی کنپٹی سے پسٹل لگا کر دوسرا پسٹل ان سب پہ تان لیا۔ المیرا کے بال جعفر کی مٹھی میں تھے۔ اس کے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا۔

"کوئی گولی نہ چلائے۔" ملک رب نواز عائز کو دیکھ کر اپنے حواریوں کو منع کرنے لگا۔ ہمایوں دم سادھے کھڑا تھا۔ وائٹ شلوار سوٹ میں کچی نیند سے جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے ڈورے گلابی ہو رہے تھے۔ مگر وہ پوری طرح چوکس تھا۔ ملک ہمایوں کو اس کی پسٹل کی زد میں دیکھ کر ملک جعفر بلبلایا۔

"تو تُو نے اتنے مہینوں سے چھپا رکھا تھا اسے۔" ملک رب نواز آگے آ کر عائز سے مخاطب ہوئے۔

"یہ بھی تو کراچی میں ہی رہتا تھا ہم سوچ ہی نہیں سکے کہ دونوں کا چکر چل رہا ہے پڑھائی کے بہانے۔" ملک جعفر نے خونی نظروں سے عائز کو دیکھتے المیرا کے بالوں کو جھٹکا دیا۔ وہ کراہ کے رہ گئی۔ اس نے ایک نظر اس کی دگرگوں حالت پہ ڈالی۔

"دو منٹ دیتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے۔" عائز نے سختی سے باہر گیٹ کا راستہ دکھایا۔

"ہم اتنے سارے اور تو اکیلا...... پھر بھی اتنا بھرم۔" ملک جعفر ہنسا۔

"تو نے ہمارے ہتھیار نہیں دیکھے چاہیں تو تجھے ابھی چھلنی کر دیں۔" ملک جعفر نے نفرت سے کہا۔ عائز کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ آ گئی۔

"مقابلہ ہتھیاروں سے نہیں ہمت وحوصلے سے کیا جاتا ہے۔ اور میں اپنے اندر کوئی کمی نہیں پاتا...... مر بھی گیا تو ملک رب نواز کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر مروں گا کیونکہ تم دونوں میرے نشانے پہ ہو۔" عائز کا لہجہ بے خوف اور نڈر تھا۔ المیرا کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا تھا جانے اگلا پل کیا لے کر آتا۔

"اگر تیری جگہ یہاں کوئی اور ہوتا تو اب تک اسے بھون چکے ہوتے لیکن تو دشمن کا بیٹا ہے تجھ سے پنچائت میں بات ہوگی۔ بڑا حساب ہے تیری طرف۔" ملک رب نواز نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"چلو سب۔" ملک رب نواز نے ہمایوں کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے سب کو نکلنے کا اشارہ کیا۔

"اسے چھوڑ دیں۔" ملک جعفر اڑا۔ وہ اسے ہی گھور رہا تھا۔

"یہ بھی آئے گا ہمارے پیچھے۔" ملک رب نواز کو خوشی جانے کس بات کی تھی۔ شاید چوہدری خداداد جو عورتوں کو استعمال نہ کرنے کی بات کرتا تھا اور پورا گاؤں اس کی واہ واہ کرتا تھا اور اب اس کی تھو تھو ہونے والی تھی۔ ایک کے بعد ایک سب عائز کو گھورتے نکل رہے تھے۔ جعفر المیرا کو بالوں سے گھسیٹتا لے جا رہا تھا۔ وہ خوف زدہ ہرنی کی طرح پسٹل تانے عائز کو دیکھ رہی تھی۔

وہ سب نکل گئے تو عائز نے گیٹ بند کیا۔ دونوں پسٹل کچن کی شیلف پہ رکھے تو چائے کے مگ پہ نظر پڑی۔ اس کے قدم بے دھیانی میں اس کے کمرے کی طرف اٹھ گئے۔ بیڈ پہ اس کی چادر پڑی تھی۔ سامنے ہی بیگ میں اس کے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔

"تو کیا وہ خود جانے والی تھی۔" بیگ سے کپڑے نکال کر دیکھتے وہ سوچ کے رہ گیا۔ اسے المیرا کے ساتھ ہوئے

سلوک پہ افسوس تھا لیکن یہ یقین تھا کہ وہ لوگ اسے جان سے نہیں ماریں گے بلکہ پنچائت کے سامنے اپنی جیت کے طور پر پیش کریں گے۔ اپنائت کا خیال آتے ہی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ پی ٹی سی ایل کا ریسیور اٹھاتے اسے محسوس ہوا ریسیور کریڈل پہ نہیں تھا۔ اس نے سی ایل آئی چیک کیا اور اس کے لب بھینچ گئے۔ اس کا شک درست نکلا تھا۔ المیر انے اپنے گھر کال کی تھی اور نمبر ٹریس کر کے وہ لوگ یہاں پہنچ گئے تھے۔

□.....□.....□

''ملکانی سنبھال اپنی دھی نوں۔'' ملک رب نواز نے اسے نصرت خانم کے ساتھ دھکیلا۔ ملکانی نصرت خانم کے ساتھ کشمالہ اور کنیز بھی تھی۔ وہ دونوں ملک رب نواز کو دیکھ کے آنچل سر پہ جماتی کھڑی ہوگئی تھیں۔ المیر امجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

''کہاں سے ملی؟'' ملکانی نصرت خانم نے قریب آ کر المیر ا کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ خون ہونٹ پہ جم گیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔

''اپنے یار چوہدری عائز عایان کے فلیٹ میں تھی۔ تجھے اس نے وہی سے فون کیا تھا۔'' ملک رب نواز نفرت سے کہہ رہے تھے۔

''یہ سچ ہے المیر ا.....تو اپنی مرضی سے اس کے ساتھ تھی اتنے دنوں سے.....؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ المیر انے انہیں بغور دیکھا۔ یہ وہ ماں نہیں تھیں جو مہینوں بیٹی کی گمشدگی پہ پریشان ہو۔ وہ ملکانی نصرت خانم تھیں ملک رب نواز کی بیوی..... ملک ہمایوں اور ملک جعفر کی طرح سنگ دل بس فرق تھا تو یہ کہ وہ عورت تھیں۔ المیر انے جبڑے پہ موجود ان کا ہاتھ ہٹانا چاہا کہ اسے درد ہو رہا تھا۔ اس کے نظر چرانے پہ ملکانی نصرت خانم کو بلا کا غصہ آیا تھا۔ انہوں نے زناٹے کا تھپڑ اس کے گال پہ رسید کیا۔ المیر از مین پہ گر گئی تھی۔ کنیز تڑپ اٹھی۔ کشمالہ ساکت نظروں سے سب دیکھ رہی تھی۔

''یہ تو اب یہی ہے اچھی طرح نبٹ لینا بعد میں..... شام کو پنچائیت کے لیے اسے تیار کر دینا کہ کیا بولنا ہے اور کیا نہیں.....'' ملک رب نواز انہیں سمجھا رہے تھے۔

''ابھی تو چل میرے ساتھ..... ملک ممتاز اور ملک احتشام کو خبر کر دی تھی ہم نے وہ آئے ہوئے ہیں۔ چل کے انہیں ٹھنڈا کر۔'' ملک رب نواز کہتے ہوئے نکل گئے۔

''دھیان رکھنا اس کا..... ذرا آگے پیچھے ہوئی تو تم دونوں کی چمڑی ادھیڑ دوں گی۔'' ملکانی نصرت خانم دھمکاتی چلی گئیں۔ المیر ادوزانوں بیٹھی سسک رہی تھی۔ کنیز اس کے پاس دوزانوں بیٹھ گئی تھی۔

''کیسی ہے تو؟'' چہرے پہ آئے بالوں کو پیچھے کرتے کنیز ہمدردی سے پوچھ رہی تھی۔ کنیز نے اسے اٹھا کر کھڑا کیا۔

''تم یہاں.....؟'' المیر اکو اس کی موجودگی پہ بے حد حیرانی تھی۔

''کنیز اسے اپنے کمرے میں لے جا..... میں زخم صاف کرنے کے لیے سامان لاتی ہوں۔'' کشمالہ نے کنیز کو ہدایت کی۔ وہ سر ہلا کر اسے ساتھ لے کر ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں آ کر کنیز نے پنکھا چلایا۔ المیر اپاگلوں کی طرح کبھی کنیز کے پُرسکون انداز اور کبھی کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ یہ کمرا اس کی حویلی کا حصہ تھا مگر یہ کمرا خالی رہتا تھا لیکن اب اس میں زندگی کے آثار تھے۔

''تمہارا کمرا' تم یہاں رہتی ہو؟'' المیر ا اپنا درد بھول گئی۔

''تمہارے غائب ہونے کے بعد بی بی جان مجھے یہاں لے آئیں اور پھر جانے نہیں دیا۔'' کنیز نے نظریں چرائیں۔

''کیا.....؟'' المیر اکو جھٹکا لگا۔ اس کے اپنے اتنے ظالم تھے۔ ''لیکن اس میں تمہارا کیا قصور تھا؟'' المیر ا چیخی۔ کشمالہ فرسٹ ایڈ باکس لے آئی تھی۔

''بھر جائی تو نے بھی آواز نہ اٹھائی؟'' المیر ا کشمالہ کی طرف شکایتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ اندر آتے ان کی

...ن چکی تھی۔

"ابھی تو تجھے سہیلی کی موجودگی کا افسوس ہے جب حقیقت سنے گی تب کیا ہوگا۔" کشمالہ پُر درد انداز میں مسکرائی۔ کنیز نے لب کاٹنا شروع کردیا۔ المیرا کے لیے دونوں کا انداز ناقابل فہم تھا۔

"اب یہ تیری سہیلی ہی نہیں رہی تیری بھرجائی بھی بن گئی ہے اور میری سوکن...... ملک جعفر کی دوسری بیوی......!" کشمالہ نے بے رحم لہجے میں اس کے کان میں جیسے صور پھونکا۔ المیرا بے یقینی سے دونوں کو دیکھتی رہی۔

کنیز مڈل گھرانے سے تھی' بہت مشکلوں سے اس کے گھر والے اس کی تعلیم کے اخراجات اٹھا رہے تھے تاکہ بیٹی ڈاکٹر بن کر ان کے دکھ بانٹ لے۔ کتنے خواب تھے اس کے غریبوں کے مفت علاج اور سہولتیں دینے کے اور وہ خود کسی ظالم کا شکار ہوگئی تھی۔ المیرا نے چیخ چیخ کے رونا شروع کردیا۔ کشمالہ نے دروازہ بند کردیا کہ آواز باہر نہ جائے۔ کنیز اپنا درد بھلا کر اسے سنبھالنے لگی۔

"مجھے معاف کردے...... میں تیری مجرم ہوں۔ کاش میں نے تجھ سے دوستی نہ کی ہوتی۔" المیرا ہاتھ جوڑے اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

"پانی پی۔" کشمالہ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔ چند گھونٹ لے کر اس نے گلاس ہٹا دیا۔

"کتنے وحشی جانور ہیں یہ لوگ۔" المیرا نفرت سے بول کر پھر رونے لگی۔

"چھوڑ نا جو ہونا تھا ہوگیا' تو کہاں تھی اتنے دن؟" کنیز نے جاننا چاہا۔

"دشمن کے پاس تھی مگر وہ اپنوں سے ہزار بہتر تھا۔" المیرا کو بچھڑتے وقت کا لمحہ یاد آ گیا۔

□......□......□

عائز کی کال کے بعد سے چوہدری خداداد کی حویلی میں سناٹا چھا گیا تھا۔ چوہدری خداداد کی برسوں کی بنائی عزت کا جنازہ نکلنے والا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس ذلت آمیز لمحے کو آنے سے روک نہیں سکتے تھے۔ ملک رب نواز اس کے بیٹوں کی اچانک آمد پہ انہیں عائز کے لیے تشویش ہوئی۔ اگر وہ حد پار کر جاتے تو...... وہ جانتے تھے عائز عایان بھلے لاکھ دشمنی نبھانے کے خلاف ہو مگر گھر پہ حملہ کرنے والوں کو پچھاڑ ضرور دیتا۔

ملک رب نواز نے پورے گاؤں میں مشہور کردیا تھا کہ چوہدری خداداد نے اپنے بیٹے عائز کے فلیٹ میں المیرا کو اغوا کر کے کراچی میں چھپا رکھا تھا۔ اور اب پنچائت نے انہیں بلاوا بھیجا تھا۔ چوہدری خداداد نے عائز کو اسی وقت گاؤں آنے کا حکم دیا۔ ابھی چند گھنٹے پہلے وہ لوٹا تھا اور اب ایک بار پھر گاؤں کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا۔ پنچائت میں اس کا ہونا ضروری تھا۔

المیرا کی چلے جانے کی اگر کسی کو خوشی تھی تو وہ عائشے گل تھی۔ وہ المیرا کے راستے سے ہٹ جانے پہ بے حد خوش تھی۔ ایک سکون سا محسوس کیا تھا اس نے اپنے اندر...... حویلی میں ہر کوئی فکر مند تھا' جانے المیرا کیا کہتی اور پنچائت کیا فیصلہ سناتی۔ حویلی کی عورتیں بھی سہمی ہوئی تھیں۔ اگر ملک رب نواز عزت کے بدلے عزت کا مطالبہ کرتا تو کیا ہوتا؟ چوہدری خداداد کی بیٹی نہیں تھی مگر تین تین بیوہ بہوئیں تھیں۔ عائز آیا تو حویلی کی فضا بہت بوجھل تھی۔ ولی قاسم ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہا تھا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا مار دو۔" کی گردان کر رہا تھا۔

عائز نے سخت کبیدہ نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھا۔

"پانی......" عائشے گل پانی کا گلاس لیے کھڑی تھی۔ چہرے پہ بشاشت تھی۔ پانی کا گلاس لیتے عائز نے اس کی سج دھج اور پُرسکون انداز کو بغور دیکھا۔

"تجھے اپنے گھر چین نہیں آتا جو ہر گھڑی یہیں نظر آتی ہے۔" عائشے گل نے اس کے سنجیدہ انداز کو بغور دیکھا اور مسکرا دی۔

"تیری آمد کا سنتے ہی چلی آتی ہوں۔ تجھے اچھا نہیں لگتا میرا یہاں موجود ہونا؟" لمبی چوٹی سے کھیلتے پوچھ رہی تھی۔ عائز نے گلاس لبوں سے لگالیا۔

''بہت دکھی لگ رہا ہے؟'' سوال نظر انداز کرنے پہ عائشے گل نے خفگی سے سوال کیا۔

''تو تُو خوش ہے نا؟'' جتاتا ہوا لہجہ تھا۔

''ہاں میں بہت خوش ہوں جھوٹ نہیں بولوں گی۔'' عائشے گل نے سچائی سے اعتراف کیا۔

''لیکن تو کیوں دکھی ہے..... کیا المیرا کے جانے سے؟'' عائشے گل کی چلتی زبان کو عائز کی سرد نظروں سے بریک لگے۔

''بابا سائیں کی برسوں کی بنی عزت خاک میں ملادی بھرادلی قاسم نے اور تجھے ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ تیرا قصور نہیں..... تیری چھوٹی ذہنیت کا قصور ہے۔'' عائز اسے گھورا اور چلا گیا۔

□.....□.....□

پنچائت کے معزز اراکین نے اپنی نشست سنبھال لی تھی۔ دونوں فریقین آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ گاؤں کے لوگ بھی موجود تھے۔ چوہدری خداداد کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ ملک ہمایوں اور ملک جعفر' چوہدری ولی قاسم اور چوہدری عائز عایان کو گھور رہا تھا۔ عائز چوہدری خدادا کے جھکے سر کو دیکھتے افسردہ تھا۔ ملک رب نواز مونچھوں کو تاؤ دیتے چوہدری خداداد کے جھکے سر کو استہزائیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

ملکانی نصرت خانم کے ساتھ چادر میں لپٹی المیرا بھی موجود تھی۔ اس نے چادر کو چہرے کے گرد حجاب کی طرح لیا ہوا تھا۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ آتے ہی اس کی نظر عائز عایان سے ملی تھی۔ اسے چلتا پھرتا دیکھ کر اس کے چہرے پہ کسی قدر سکون نظر آیا تھا۔ ورنہ اسے اس کی جان کی فکر تھی۔ پورا راستہ ملکانی نصرت خانم المیرا کو ڈراتی دھمکاتی اور پنچائیت کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان دینے پہ سمجھاتی آئی تھیں۔ پنچائیت کی کارروائی شروع ہوگئی تھی۔ پنچائیت کے ارکان میں سب سے معتبر اور غیر جانبدار ہستی چوہدری فضل الٰہی کی تھی گلہ صاف کرتے انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

''آج یہ پنچائیت خاص طور پہ بلائی گئی ہے۔ دونوں فریقین کے مابین دشمنی سالوں سے چلی آرہی ہے۔ جو پنچائیت کے بار بار دخل دینے پہ بھی ختم نہیں ہوئی لیکن اب اس کی لپیٹ میں گاؤں کے بے قصور لوگ بھی آنے لگے ہیں۔ پچھلے دنوں دونوں فریقین کی اندھا دھند فائرنگ سے جہاں چوہدری سجاول قتل ہوا وہیں گولیوں کی زد میں ایک بے گناہ بھی مارا گیا۔'' ملک رب نواز نے پہلو بدلا۔

''ہم چوہدری سجاول کے چہلم کا انتظار کررہے تھے۔ پنچائیت نے طے کیا تھا کہ اب جو فریق پنچائیت کا فیصلہ نہ مانے گا اور قتل وغارت گری کا بازار قائم رکھے گا' جرمانے کے طور پر دوسرے فریق کی جائیداد زمین کا آدھا حصہ اس کے حریف کے نام کردیا جائے گا۔ اور یہ سزا دونوں فریقین پہ لاگو ہوگی.....'' فضل الٰہی نے دونوں گروپ پہ نگاہ ڈالی۔ ملک رب نواز اور اس کے بیٹوں کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ فضل الٰہی نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

''لیکن اس سے پہلے دھی المیرا غائب ہوگئی اور اس کے متعلق کئی باتیں سنی گئیں لیکن اب جب یہ چوہدری خداداد کے بیٹے چوہدری عائز عایان کی تحویل سے بازیاب ہوئی ہے تو پنچائیت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمارا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ دھی المیرا کی بات سننے کے بعد ہوگا۔'' چوہدری فضل الٰہی پورے مجمعے پہ نظر ڈال کر کہہ رہے تھے اور دونوں فریقین چپ کر کے سن رہے تھے۔ ان کی گفتگو کے اختتام پہ سب کی نظریں المیرا پہ اٹھ گئی تھیں۔ ملکانی نصرت خانم نے المیرا کو ٹہوکا دیا۔

''بول دھی المیرا۔'' فضل الٰہی نے اسے مخاطب کیا۔ عائز کی نظریں اس کی چادر سے جھانکتی آنکھوں پہ تھیں۔ چوہدری خداداد دم سادھے بیٹھے تھے۔ چوہدری ولی قاسم اس وقت کو کوس رہا تھا جب عائز کی بات مان کر اس نے ذلت اس کے مقدر میں لکھ کے اسے قتل نہ کیا۔ پنچائیت میں سناٹا تھا۔ المیرا نے عائز عایان کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے چوہدری ولی قاسم کے آدمیوں نے کراچی سے

اغوا کیا اور حویلی لے آئے۔ چوہدری ولی قاسم میری عزت سے کھیل کر مجھے بازار میں بٹھانا چاہتا تھا....." المیر ابولی۔ چوہدری خداداد اور چوہدری ولی قاسم کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ ملک رب نواز فاتحانہ انداز میں انہیں دیکھ رہے تھے۔ عائز ساکت نظروں سے اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

"لیکن چوہدری عائز عایان نے اپنے بھرا چوہدری ولی قاسم کو اس عمل سے روکنے کی کوشش کی۔ بدنامی سے بچنے کے لیے چوہدری خداداد نے عائز عایان کو مجھے اپنے ساتھ کراچی لے جانے کا کہا۔ عائز عایان نے مجھے میرے علاقے میں چھوڑ دیا کہ میں واپس حویلی لوٹ جاؤں مگر میرے بھرا ملک ہمایوں اور ملک جعفر نے کچھ پوچھے سنے بغیر ہم پہ فائرنگ شروع کردی۔ انہیں اپنی بہن پہ بھروسہ نہیں تھا۔ ان کے خیال میں' میں اپنے عاشق سے راز و نیاز کررہی تھی۔" المیر اکا لہجہ سپاٹ تھا۔ ملک رب نواز جو کچھ دیر پہلے اکڑی گردن سے سب دیکھ سن رہا تھا اب ملکانی نصرت خانم کو گھورنے لگا۔ ملک ہمایوں اور ملک جعفر تلملانے لگے۔

"چوہدری عائز عایان مجھے بچا کر کراچی لے گیا۔ وہاں میں مہینوں اس کے ساتھ اکیلی رہی۔ مجھے اس نے قید کر کے نہیں رکھا تھا بلکہ میں خود بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ بھاگ کر جاتی بھی تو کہاں کہ میرے اپنے میری جان کے دشمن تھے۔" ملک رب نواز کے چہرے پہ غصہ جھلکنے لگا تھا۔ چوہدری خداداد کی جھکی گردن کچھ اٹھنے لگی تھی۔ عائز خاموشی سے اس کی آواز سن رہا تھا۔ اتنا بولتے اس نے اسے پہلی بار سنا تھا۔ وہ سب سچ کہہ رہی تھی۔ ملکانی نصرت خانم کے ٹہوکے کے باوجود۔

"چوہدری عائز مجھ سے جھنجلا گیا تھا۔ میں نے بھاگنے کا منصوبہ بنایا مگر اس سے پہلے میرے بھرا اور بابا جان مجھے لینے آ گئے اور اب میں آپ سب کے سامنے ہوں۔" المیر ا نے پوری کہانی سنائی۔

"چوہدری خداداد تیرے بیٹے چوہدری ولی قاسم نے شریف کی عزت پہ ہاتھ ڈالنے کا جرم کیا ہے۔" چوہدری فضل الٰہی نے رخ ان کی طرف کیا۔

"میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے بیٹے نے غلطی کی اور میں اس کے لیے سزا جھیلنے کو بھی تیار ہوں۔ کیونکہ عزت پہ ہاتھ ڈالنا میرے پرکھوں کا وصف نہیں رہا۔" چوہدری خداداد نے بڑے پن سے تسلیم کیا۔ چوہدری ولی قاسم پہلی بار باپ کو بھرے مجمعے میں شرمندہ دیکھ کر کچھ نرم ہوا۔

"یہ تو نے بہت اچھی بات کہی چوہدری خداداد۔" پنچائیت کے دوسرے لوگوں نے سراہا۔

"دھی المیر ا' اب تو کیا چاہتی ہے۔ زیادتی تیرے ساتھ ہوئی ہے' داغ تیرے دامن پہ لگا ہے۔" پنچائیت سے کرم دین نے المیر اسے اس کا فیصلہ جاننا چاہا۔

"میں اپنوں پہ بھروسہ نہیں کرسکتی کیونکہ میں نے ان کی پسند کا بیان نہیں دیا اور اب یہ میری جان کے دشمن بن گئے ہیں۔" نصرت خانم' ملک رب نواز اور اس کے بیٹوں نے پہلو بدلا۔

"پھر تو کیا چاہتی ہے؟" چوہدری فضل الٰہی نے ملک رب نواز کو بولنے کے لیے منہ کھولتے دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر روکا۔

"یہ دشمنی ایک عورت سے شروع ہوئی تھی' اور آج میں ایک عورت ہونے کے ناتے اس دشمنی کا اختتام کرنا چاہتی ہوں تاکہ دونوں فریقین نے جو قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے وہ ٹھنڈا ہو۔" عائز بہت سنجیدگی سے اسے بولتا سن رہا تھا۔

"تیرا فیصلہ تو بہت اچھا ہے۔ ایسی کون سی جادو کی چھڑی ہے تیرے پاس؟" فضل الٰہی نے مجمعے میں موجود ہر ایک دل کی بات کی۔

"میں ابھی اسی پنچائیت میں چوہدری عائز عایان سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔" المیر ا نے جیسے صور پھونکا تھا۔ عائز شاکڈ رہ گیا تھا۔ باقی سب بھی حیران تھے۔

"جنم جلی کیا بھونک رہی ہے۔" نصرت خانم نے دوہتھڑ لگائے۔

"ایک ایسی لڑکی جو مہینوں دشمن کے ساتھ اکیلی رہی

ہو۔ اس سے نہ تو اس کا منگیتر ملک احتشام شادی کرنا چاہے گا نہ کوئی اور مرد اور اگر کسی نے جرأت کر لی تو جو داغ میرے دامن پہ لگ گیا ہے مجھے ساری زندگی طعنہ سننا پڑے گا۔'' سب دم سادھے اسے سن رہے تھے۔

''میرے جیتے جی ایسا نہیں ہوگا کہ میں دشمن کے گھر اپنی بیٹی دوں۔'' چوہدری رب نواز بھڑکے۔

''تیری دھی کو خود تجھ پہ بھروسہ نہیں' پھر تیرا انکار چہ معنی دارد۔'' فضل الٰہی نے آئینہ دکھایا تو ملک رب نواز اپنا سامنہ لے کر بیٹھ گئے۔

''دھی المیرا..... نکاح کے علاوہ کوئی اور حل جو تو چاہتی ہو؟'' چوہدری فضل الٰہی دوسرا فیصلہ بھی جاننا چاہتے تھے۔ المیرا نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں..... مجھے ہر حال میں ابھی چوہدری عائز عایان سے نکاح کرنا ہے کیونکہ میں اس کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔'' المیرا کے لفظوں کے بعد جیسے آندھی آ گئی تھی۔ ہر کوئی اپنی جگہ ہل گیا تھا۔ خصوصاً عائز عایان بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ المیرا کی نظر اس سے ملی تھیں۔

ملک رب نواز' ہمایوں' جعفر پھڑ پھڑانے لگے تھے۔ لفظوں کی گولہ باری شروع ہوگئی تھی۔ سب اپنی اپنی بولی بول رہے تھے۔ المیرا کو اس کی نگاہ کی بے یقینی کا سامنا تھا۔ جانے وہ اتنا بڑا جھوٹ کیوں بول گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی بات کو کسی صورت ٹالا نہ جا سکے۔ پنچائت کے ارکان نے سب کی بولیاں بند کرائیں۔

''چوہدری خداداد تیرا کیا فیصلہ ہے؟'' پنچائیت سے کرم دین نے سوال کیا۔

''میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ جو سزا ہوگی تسلیم کروں گا اور جب میرے بیٹے عائز عایان سے اتنی بڑی غلطی ہوگئی ہے تو مجھے دھی المیرا کو بہو بنانے میں کوئی جھجک نہیں۔'' چوہدری خداداد کے لفظوں پہ عائز کا شرم سے ڈوب مرنے کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ اگر صفائی میں کچھ بھی کہتا تو کوئی اس کا اعتبار نہیں کرتا۔ المیرا نے اتنے کمال سے چال چلی تھی کہ وہ دام میں آ گیا تھا۔

''لیکن چوہدری عائز عایان کی بات بچپن سے میرے بھائی کی دھی عائشے گل سے طے ہے۔''

''مرد ایک ساتھ چار شادیاں کر سکتا ہے چوہدری خداداد..... چوہدری عائز عایان جب چاہے عائشے گل سے شادی کر سکتا ہے۔ عائشے گل حویلی میں رہے گی اور دھی المیرا شہر میں..... اگر اس حل سے دونوں فریقین کی دشمنی ختم ہو جاتی ہے اور دھی المیرا کو بھی انصاف مل جاتا ہے تو کسی کو بھی اس فیصلے سے انحراف کرنے کی ضرورت نہیں۔'' فضل الٰہی نے بھرے مجمعے میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''ملک رب نواز اگر اب تو نے کوئی انتہائی قدم اٹھایا تو تجھے اپنی زمینوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ چوہدری خداداد نے اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تجھے بھی ماننا پڑے گا۔'' کرم دین نے وارن کرتے کہا۔ ملک رب نواز کے غبارے سے ہوا نکل گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں وہ المیرا ملک سے المیرا عائز چوہدری بن گئی تھی۔ مبارک سلامت کا شور اٹھا تھا۔ عائز عایان کے چہرے پہ گھمبیر خاموشی تھی۔

□.....□.....□

ان کی حویلی پہنچنے سے پہلے یہ خبر حویلی پہنچ گئی تھی۔ قدسیہ بانو' رابعہ' زرتاشہ اور نرگس کو مسرت ہوئی تھی۔ اس دشمنی کا خوشگوار اختتام انہیں پسند آیا تھا۔ مگر کوئی تھی جس کی دنیا لٹ گئی تھی۔ وہ جو ہرنی کی طرح کچھ دیر قبل قلانچے بھر رہی تھی کہ اس کی راہ کا کانٹا دور ہو گیا اسے کیا خبر تھی کہ اس کی خوشی عارضی ثابت ہوگی اور کانٹا عمر بھر ٹیس دیتا رہے گا۔ عائشے گل پہ المیرا اور عایان کے نکاح کی خبر بجلی بن کر گری تھی۔

گھر کے مرد اندر آ چکے تھے۔ ان کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی المیرا ابھی آ رہی تھی۔ قدسیہ بانو چاہنے کے باوجود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرنے کی ہمت خود میں نہ کر سکیں کہ وہ ان کے بیٹوں کے قاتل کی بہن تھی۔ زرتاشہ اور نرگس کو بھی اپنی بیوگی کا احساس اس کی شکل دیکھ کر شدت سے ہوا۔ عائشے گل منڈیر سے لگی یک ٹک

دیوانوں کی طرح المیر اکو گھورے جارہی تھی۔ اس کی بچپن کی محبت کا نام المیر ا اس سے پہلے اپنے نام لکھوا چکی تھی۔ اس کے محبوب کا بچہ اس کے اندر پل رہا تھا۔ وہ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی تھی۔ المیر ارک گئی تھی۔ قریب آ کر وہ المیر اکو دیکھنے لگی۔ اس کی ناک..... اس کے ہونٹ..... اس کی آنکھیں..... وہ ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔ المیر اکو اس کی دیوانگی سے خوف آنے لگا۔ اس کے انداز سے جان گئی کہ وہ عائشے گل ہے۔

''تم واقعی بہت خوب صورت ہو..... مگر کم تو میں بھی نہیں۔'' عائشے گل نے اس کی تھوڑی اٹھاتے دیوانوں کے انداز میں سوال کیا۔ المیر اسے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''بہت محبت کرتی ہوں میں عائز سے..... جان ہے وہ میری مگر تم نے اسے پالیا۔''

اثر ہوتا ہے دعاؤں میں مگر ممکن ہے
کسی نے مانگا کسی کو کسی سے بڑھ کر ہو۔''

شعر پڑھ کر وہ پُردرد انداز میں مسکرائی۔ المیر اکو اس سے ہمدردی ہونے لگی۔ رابعہ ان تک آئی۔

''عائشے گل تم اندر چلو۔'' رابعہ نے اسے ہدایت کر کے المیر اکو بازو سے تھاما۔

''آؤ میں تمہیں تمہارا کمرا دکھادوں۔'' رابعہ اسے لے کر عائز کے کمرے میں آ گئی۔ ''آرام سے بیٹھ جاؤ۔ بھوک لگی ہے کچھ منگواؤں کھانے کو؟'' رابعہ اسے بیڈ پہ بٹھا کر پوچھ رہی تھی۔ المیر انے نفی میں سر ہلایا۔ دشمن کی حویلی میں اس گھر کی بہو کی حیثیت سے بیٹھی وہ خوف زدہ بھی تھی آتے ہی عائشے گل سے ملاقات نے اسے تھوڑا پریشان کر دیا تھا شاید وہ انجانے میں اس کے ساتھ زیادتی کر گئی تھی۔ فیصلہ کرتے وہ شاید تھوڑی خود غرض ہو گئی تھی لیکن اس دشمنی کا سر کچلنے کے لیے اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا..... اس نے خود کو داؤ پہ لگا دیا تھا۔

''تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا..... اس سے برسوں پرانی دشمنی کی جڑیں تو کمزور ہوئیں جو نجانے اور کتنے خون کی پیاسی تھیں۔'' رابعہ نرم انداز سے مسکرائی۔ المیر انے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔ زرتاشہ اور نرگس بھی آ گئی تھیں۔

''میں رابعہ ہوں' شہریار کی بیوہ ایک سال ہماری شادی رہی' میں تیرہ برس کی تھی جب دلہن بن کر حویلی آئی تھی۔ اگلے ہی برس شہریار مجھے چھوڑ گئے' تب سے میں یہیں ہوں۔ عائز کو میں نے گودوں کھلایا ہے۔ بہت چہیتا اور بہت منفرد ہے میرا دیور۔'' رابعہ بے تکلف ہو کر باتیں کر رہی تھی تاکہ وہ ایزی ہو جائے۔ زرتاشہ اور نرگس بھی بیڈ پہ بیٹھ گئی تھیں۔

''یہ نرگس ہے..... بہرام کی بیوہ تھی پھر سجاول کی بیوہ بن گئی۔'' رابعہ نے پرکشش چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ اسے بہرام کا آنکھوں دیکھا قتل یاد آ گیا۔

''زرتاشہ سجاول کی پہلی بیوی تھی اور اب یہ بھی بیوہ ہے۔'' رابعہ نے گوری چٹی زرتاشہ کی طرف اشارہ کیا۔

المیر ا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ تینوں کو بیوگی کی چادر اوڑھانے والے اس کے سگے تھے اور وہ اس سے محبت سے پیش آ رہے تھے۔ اسے تضاد صاف نظر آ رہا تھا۔ المیر ا نے روتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''میں اپنے باپ بھائیوں کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔ میری معافی سے آپ سب کے پیارے لوٹ کر تو نہیں آ سکتے لیکن میں اور کچھ نہیں کر سکتی۔'' وہ رو رہی تھی۔

''ارے نہیں.....'' رابعہ نے اس کے ہاتھ کھول دیے پھر سب ہی مل کر المیر اکا ساتھ دینے لگیں۔ سب کے زخم ہرے ہو گئے تھے۔

□.....□.....□

چوہدری خداداد نے ولیمے کا بہت اعلیٰ انتظام کیا تھا۔ دور دور گاؤں سے لوگ بلائے گئے تھے۔ دو دشمنوں کے درمیان چلتی دشمنی کا خاتمہ دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے آ رہے تھے۔ عائز نے رات مردانے میں گزاری تھی۔ چوہدری خداداد نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ کچھ نہیں پوچھا تھا۔ لیکن وہ اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا۔ المیر اکے اتنے بڑے الزام نے اس کی برسوں کی بنائی عزت پہ دھبا لگا دیا تھا۔ اسے اتنا غصہ تھا کہ وہ سامنے ہوتی تو اسے جان سے

مار دیتا۔ اسی لیے وہ مردانے میں قید تھا۔ چوہدری ولی قاسم کی استہزائیہ نظریں اس کے جگر کے پار ہو رہی تھیں۔

''پتر جو ہو گیا اسے بھول جا..... مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ دھی المیر ا نے صحیح فیصلہ کر کے دو خاندانوں کو ختم ہونے سے بچا لیا۔'' خداداد کو اپنا یہ منفرد بیٹا عزیز ہی نہیں تھا وہ اسے بہت اچھی طرح پہچانتے بھی تھے۔ اس کی ولی کیفیت کیا تھی وہ اس سے بھی آگاہ تھے۔ لیکن مصلحتاً چپ تھے۔

''بابا سائیں مجھ پہ بہت بڑی تہمت لگی ہے میں ایسا نہیں ہوں۔'' وہ جھنجلایا ہوا تھا۔

''میں نے کہا ناں جو ہوا بھول جا..... آج ولیمے کی دعوت ہے چل تیار ہو جا۔ یہ تیرے کپڑے ہیں۔'' چوہدری خداداد کے جواب نہ دینے پہ اس کے لب بھینچ گئے۔

''تو آپ کو بھی مجھ پہ اعتبار نہیں؟'' اس نے نروٹھے انداز سے گلہ کیا۔

''میں اپنے خون کو پہچانتا ہوں۔'' چوہدری خداداد نے ناراض بیٹے کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''اگر آپ کو سچ جھوٹ کا ادراک تھا تو آپ نے نکاح کی بات کیوں مانی؟'' جرح کی۔

''اگر ایک لڑکی خود اپنے منہ سے میرے بیٹے سے نکاح کی خواہش کا اظہار کر رہی تھی تو میں کیسے نہ مانتا کہ اس لڑکی کو تماشا بنانے میں میرے ہی دوسرے بیٹے کا ہاتھ تھا۔'' چوہدری قاسم برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

''تین بیٹوں کو دفنا چکا ہوں۔ اب مزید حوصلہ نہیں..... تم دونوں میرے دو بازو ہو۔ اگر تم دونوں میں سے کسی کو کچھ ہوتا تو میں بھی جیتے جی مر جاتا..... میرے بڑھاپے کا تم دونوں آسرا ہو.....'' وہ خاموشی سے ہونٹ کاٹنے لگا۔ چوہدری ولی قاسم بھی چپ تھا۔

''تو مرد ہو کر اپنی عزت پہ لگے دھبے کا سوچ رہا ہے۔ تو دھی المیر ا کا تو سوچ..... مہینوں وہ تیرے ساتھ رہی ہے اگر تو یا دھی المیر ا قرآن اٹھا کر بھی گواہی دو گے کہ تم دونوں کے بیچ کچھ نہیں ہوا تو بھی کوئی یقین نہیں کرے گا۔ دھی المیر ا کی زندگی بچانے کے لیے میں نے نکاح کی بات تسلیم کی تو بھی اسے قبول کر لے۔ اس نے سمجھ داری' ثبوت دے کر فیصلہ کیا ہے' کیا وہ نہیں جانتی کہ وہ دشمن سے شادی کرنے کی بات کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ کیا سلوک ہو سکتا ہے مگر اس نے اپنی ذات کو فراموش کر دیا..... اپنے ڈر کو پچھاڑ کر اس نے ایسا فیصلہ کیا جو دونوں خاندان کے لیے بہترین ہے۔ ورنہ کیا ہوتا.....؟ میرے دو بیٹے تھے ملک رب نواز کے بھی دو بیٹے بچے تھے..... اس کے بعد.....؟ تو نے دیکھا نہیں ملک رب نواز کا منہ کیسا چھوٹا سا ہو گیا تھا۔ جب اس کی اپنی دھی نے اسے شرمندہ کر دیا..... وہ سچی کڑی ہے..... یہ سمجھ لے۔'' چوہدری خداداد سمجھا کر چلے گئے۔

''سچی کڑی نے اتنا بڑا جھوٹ بول دیا۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔

□.....□.....□

شہر سے بیوٹیشن بلوائی گئی تھی۔ چوہدری خداداد' ملک رب نواز اور پورے گاؤں کو دکھانا چاہتا تھا کہ انہوں نے کتنے کھلے دل سے دشمن کی بیٹی کو اپنایا تھا۔ بیوٹیشن اسے حسین سے حسین تر کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ عائشے گل خاموشی سے دیوار سے لگی اسے یک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ المیر ا کو اس کی آنکھوں سے جھانکتی دیوانگی سے خوف آ رہا تھا۔ بیوٹیشن فائنل ٹچ دے کر اب دوپٹا سیٹ کر رہی تھی۔ ریڈ لانگ شرٹ آف وائٹ لہنگے آف وائٹ دوپٹے جس کے کناروں پہ ریڈ کلر کی پٹی لگی ہوئی تھی۔ خوب ہیوی جوڑے میں سجی سنوری المیر ا نظر لگ جانے کی حد تک پُرکشش لگ رہی تھی۔

''تم بھی تیار ہو جاؤ عائشے گل۔'' بیوٹیشن اپنا ساز و سامان سمیٹ رہی تھی۔

''تم دلہن ہو چوہدری عائز عایان کی..... تم تیار ہو گئیں بس یہ کافی ہے۔'' وہ پُردرد انداز میں مسکرائی۔ بیوٹیشن جا چکی تھی۔ المیر ا اٹھ کر اس تک آئی۔ اس کے ہر اٹھتے قدم سے پائلوں کی چھنک' چوڑیوں کی کھنک گونجی تھی۔ عائشے

گل کو بازو سے تھام کر وہ بیڈ تک لے آئی' اسے بٹھا کر خود ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کا جگر جگر چمکتا دمکتا روپ عائشے گل کے سامنے تھا۔ المیر انے اس کے بے رونق پھیکے اور سوکھے ہونٹوں کو محبت سے دیکھا۔

''بہت محبت کرتی ہو چوہدری عائز عایان سے؟'' اس کی الجھی بکھری لٹوں کو چہرے سے پیچھے کرتے المیر انے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

''پوری دنیا میں چوہدری عائز کو مجھ سے زیادہ کوئی محبت نہیں کرسکتا۔'' عائشے گل نے زعم سے کہا۔ المیر اکے ریڈ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ بھرپور انداز سے مسکرائے۔

''جانے انجانے میں تمہارے راستے میں آ گئی' کیا تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں.....؟'' المیر ادوستانہ انداز میں اس کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی۔ عائشے گل کی نظریں اس کی مہندی سے رچے ہاتھوں پہ تھیں اس کے اندر کچھ سلگنے لگا۔

''کیا تم عائز عایان کو میرے ساتھ شیئر نہیں کرسکتیں؟'' المیر اکے نرم لہجے میں کہے سوال پہ عائشے گل نے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک کر اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''چوہدری عائز عایان صرف میرا تھا اور ہے۔ میں اسے کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکتی۔ سنا تم نے۔'' عائشے گل بری طرح چیخی۔ ''بہت جلد..... بہت جلد وہ تمہیں طلاق دے دے گا اور مجھ سے شادی کرلے گا۔ تم جو اس حویلی کی بہو بننے کا خواب لے کر آئی ہو میں اسے پورا نہیں ہونے دوں گی۔'' عائشے گل بے حد نفرت کا اظہار کر کے چلی گئی تھی۔

❐.....❐.....❐

اسے خوب صورت سے اسٹیج پہ لا کے بٹھا دیا گیا۔ باری باری سب اس سے مل رہے تھے۔ ملکانی نصرت خانم' کشمالہ اور کنیز کو دیکھ کر اسے حقیقی خوشی ہوئی تھی۔ ملکانی ذرا اکڑ میں تھیں۔ قدسیہ بانو اور ان کی تینوں بہوؤں نے ان کا استقبال کیا تھا۔ المیر اماں کے انداز پہ تاسف سے دیکھ رہی تھی۔ مردانے میں ملک رب نواز ملک ہمایوں اور ملک جعفر کا بھی کھلے دل سے استقبال کیا گیا تھا۔ سب کو ان کی آمد پہ خوشی ہوئی تھی۔ المیر اکے نکاح کا سن کر ملک ممتاز اور ملک احتشام نے منہ بنا رکھا تھا۔

''تُو نے بہت اچھا فیصلہ کیا۔'' کنیز اس کے کان میں گھسی ہوئی تھی۔

''لیکن تیرے ساتھ برا ہونے سے نہ روک سکی۔'' المیر اکو اس کا درد تھا۔

''چھوڑنا..... مجھے بھی تو بھوت چڑھا رہتا تھا ملکوں کے بیچ رہنے کا۔ یاد نہیں..... دیکھ لے نام کی کنیز ہوں مگر ملکانی کہلاتی ہوں۔ تیرا بھائی اتنا بھی برا نہیں۔'' کنیز نے ہنستے ہوئے اس کا غم غلط کرنے کی کوشش کی۔

''بھرجائی..... اسے بہنوں کی طرح سمجھنا۔'' دوسری طرف بیٹھی کشمالہ سے اس نے فریاد کی۔

''یہ خود بہت اچھی ہے تو فکر نہ کر بہنوں کی طرح نہیں ہم سوکنوں کی طرح ہی رہیں گی لیکن پیار سے۔'' کشمالہ نے ہنستے ہوئے کہا تو اسے کچھ تسلی ہوئی۔

''دلہن بنی بیٹھی ہے اور بڈھوں کی طرح نصیحت کر رہی ہے ذرا اپنے ہیرو سے تو ملا۔'' کنیز نے پرانے لہجے میں کہا تو اسے بھی اس کا دھیان آیا۔ پنچائیت کے بعد وہ حویلی تک ساتھ آئے تھے اس کے بعد وہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔

''مردانے میں ہوں گے۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''اوئے ہوئے کشمالہ جی ذرا اس کا شرمانا تو دیکھو۔'' کنیز نے کشمالہ کے ساتھ مل کر چھیڑنا شروع کر دیا۔

تھوڑی دیر میں اسے تصویروں اور مووی کے لیے بلایا گیا تو وہ بادل نخواستہ مسکراہٹ سجا کر اسٹیج پہ آ گیا۔

''اب سمجھ آیا کیوں تو مہینوں اس کے ساتھ رہی اور بھاگنے کی کوشش بھی نہیں کی۔'' کنیز نے عائز عایان کو دیکھتے اسے ٹہوکا دیا۔

المیر اکی نگاہ بھی اسی وقت اٹھی تھیں۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کنیز کی بات اس نے سن لی تھی۔ ایک پل کو دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ باقی سب فقرے کس رہے تھے اور عائشے گل کے اندر دھڑا دھڑ کچھ جلنے لگا

تھا۔مہمان کھانا کھا کر جانے لگے تھے۔وہ تھوڑی دیر اس کے پہلو میں بیٹھا رہا۔مگر بالکل خاموش' المیر انے کئی بار اسے نظر بچا کر دیکھا۔وہ مردنا مسکرا رہا تھا۔

□.....□.....□

اسے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔اس کمرے میں جو عائز کا تھا اور جسے پوری طرح سجا کر حجلہ عروسی بنا دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد عائز بھی کمرے میں آ گیا کہ سب کی نظریں اسی پہ تھیں' کف لنکس اتار کر رکھتے اس نے اس کے سجے سنورے روپ کو آئینے میں دیکھا۔وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔جیپ سے چھوٹا سا پسٹل نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھتے اس کے ہاتھ رکے تھے۔اگلے لمحے وہ اس تک آیا تھا' بازو سے گھسیٹ کر کھڑا کرتے اس نے پسٹل اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

''جی تو چاہ رہا ہے اس پسٹل کی ساری گولیاں تمہارے مکروہ دماغ میں اتار دوں۔'' اس کا غصیلا چہرہ المیر اکے بہت قریب تھا۔شعلہ سا لہجہ آگ لگا رہا تھا۔وہ مسکرائی۔

''شوق پورا کر لیں۔اف تک نہیں کروں گی۔'' عائز نے اس کے ہلتے لبوں کو بغور دیکھا۔

''جتنا بڑا الزام تم نے میرے کردار پر لگایا ہے اس کے لیے یہ سزا بہت چھوٹی ہوگی۔میں پل پل ماروں گا تمہیں.....تم ساری زندگی ترستی رہو گی میری قربت کو..... محبت تو دور میں تم سے نفرت کا رشتہ رکھنا بھی توہین سمجھتا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے حد نفرت کا اظہار کر کے اسے بیڈ پہ دھکیل کر کمرے سے نکل گیا۔ کلائی بیڈ سے ٹکرائی تھی۔المیر ا اپنی کلائی سہلاتی سیدھی ہوئی تھی۔

''مجھے تمہیں جیتنے کا دعویٰ نہیں ہے عائز عایان میں تو خود کو جانے کب تم پہ ہار چکی ہوں۔'' وہ مسکرا کر اپنی کہنی کا جائزہ لے رہی تھی۔جیولری اتارتے اسے تکلیف ضرور ہوئی' یہ روپ سروپ اسی کے لیے سجایا تھا' جسے اس نے دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

''مجھے خبر ہے میرا سواگت تم پھولوں سے نہیں کرو گے۔میں نے آگ کے دریا کا انتخاب تمہاری قربت کے لیے نہیں کیا۔نہ میں اتنی سطحی ہوں نہ تمہارا نفس کمزور.....اس کا اور اک مہینوں تمہارے ساتھ اکیلے رہ کر کر چکی ہوں۔تمہارے نام سے جڑا رہنا میرے لیے اہم ہے۔خواہ تم ساری زندگی مجھ سے فاصلے پہ ہی رہو۔مجھے ایک مرد سے شادی کرنی تھی جو صرف نام کا مرد نہ ہو.....تم میں وہ تمام کوالٹیز ہے کہ تم سینکڑوں عائشے گل اور ہزاروں المیر اکو پاگل کر سکتے ہو۔'' دوپٹے کی پنیں نکال کر وہ اپنے کپڑے لے کر واش روم میں چلی گئی۔

وہ واش روم میں ہی تھی جب اسے گرمائش کا احساس ہوا۔جلدی جلدی خود پہ پانی ڈال کر وہ گیلے بالوں کے ساتھ باہر نکلی تو اسے دوبارہ پلٹ کر واش روم میں چھپنا پڑا' اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔پورا کمرا آگ کی لپیٹ میں تھا۔عروسی بیڈ سے شعلے چھت کو چھو رہے تھے' آگ کارپٹ' پردوں کو لپیٹ میں لے چکی تھی۔باہر سے شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔اس کا دماغ سن ہونے لگا۔ باہر سے پانی پھینک کر آگ بجھانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کوئی فائر بریگیڈ کو بلانے کو چیخ رہا تھا۔دھویں اور گرمائش سے المیر اکو موت یقینی نظر آ رہی تھی۔کچھ دیر پہلے تو سب ٹھیک تھا اس کے واش روم میں جاتے آگ کیسے لگ گئی۔ اس کا دماغ ماؤف ہوا جا رہا تھا۔

''عائز.....'' وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔واش روم میں کوئی کھڑکی روشن دان نہیں تھا۔وہ سخت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔شور کی آواز عائز کے کانوں تک گئی تو اس نے حویلی کی چھت سے نیچے دیکھا۔اس کے کمرے سے اٹھتا دھواں' آگ کی لپٹیں اسے حواس باختہ کر گئیں۔وہ تیزی سے نیچے آیا۔اس کے کمرے کے باہر ہجوم لگا ہوا تھا۔کافی لوگ بالٹی بھر بھر کے پانی آگ پہ ڈال رہے تھے۔

''تو اوپر تھا؟'' قدسیہ بانو اسے صحیح سلامت دیکھ کر ساتھ لگ گئیں۔

''المیر اکہاں ہے؟' وہ خود کو چھڑاتے چیخا۔

''وہ اندر تھی۔'' قدسیہ بانو نے اسے سختی سے پکڑا۔

''وہ جل جائے گی۔'' ادھر ادھر نظریں دوڑاتا وہ پریشان ہوا۔ اس نے اندر جانے کی کوشش کی مگر قدسیہ بانو نے اسے پکڑ لیا۔

''بی جان وہ مر جائے گی۔'' اس نے جیسے التجا کی۔

''اگر تجھے کچھ ہو جائے گا تو.....؟'' قدسیہ بانو نے اسے دبوچ لیا۔

''بابا سائیں لکڑی کا پھٹا چھت پہ ہے اسے منگوائیں۔'' چوہدری خداداد تیزی سے بھاگتے آئے تو اس نے کہا۔

''عائز تو نہ جا..... تجھے کچھ ہو گیا تو.....'' قدسیہ بانو کارپٹ سے لپکتے شعلے دیکھ کر دہل گئی تھیں۔

''بی جان میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا نہیں دیکھ سکتا۔'' پھٹا آ چکا تھا۔

''عائز.....'' اسی لمحے المیرا کی مسلسل پکار سنائی دے رہی تھی۔ اس نے قدسیہ بانو سے خود کو چھڑایا۔

وہ یقیناً واش روم میں تھی۔ دیگر آدمیوں کی مدد سے اس نے پھٹا تیزی سے واش روم کے دروازے تک لگایا تھا۔

''اسے روکیں۔'' قدسیہ بانو اس کی طرف سے مایوس چوہدری خداداد کی طرف بڑھیں۔

''بیوی ہے اس کی' کوشش تو کر لینے دو۔'' چوہدری خداداد نے اپنی شال اتار کر عائز کو اڑھائی۔ دو تین شال اور عائز کے اوپر لپیٹ دی گئیں۔ چوہدری خداداد کے چہرے پہ تفکر تھا اگر المیرا کو کچھ ہو جاتا تو سارا الزام ان پہ آنا تھا۔

چیخ چیخ کر المیرا کے گلے میں درد ہونے لگا تھا۔ لکڑی کا دروازہ بھی اب گرم ہو چکا تھا۔ گھٹن اور تپش سے اس کا جسم گرم ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گرتی' تب ہی کوئی تیزی سے بھاگتا' دھاڑ سے دروزہ کھول کر واش روم میں آیا.....

''تم ٹھیک ہو؟'' عائز اس کے گال تھپتھپا رہا تھا۔ اس نے بمشکل سر ہلایا۔ آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی۔

''چادر اچھی طرح لپیٹو۔'' اسے حکم دے کر اس نے سرعت سے المیرا کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ باہر نکلتے ہی آگ کے شعلے انہیں گھیرنے کو بے تاب تھے۔ اس نے اپنا چہرہ عائز کے سینے میں چھپا کر سختی سے اس کے شانے تھام لیے تھے۔ جانے یہ گرم سفر کتنی دیر کا تھا۔ المیرا کو عائز کی فکر ہونے لگی۔ اگلے لمحے وہ باہر سب کے درمیان تھی۔ عائز نے اسے نیچے اتار دیا تھا۔

''تم دونوں ٹھیک ہو؟'' رابعہ نے فکرمندی سے المیرا کو تھاما۔

''یہ آگ لگی کیسے؟'' عائز شال اتار کر تشویش سے پوچھنے لگا۔

''یہ بھی پتا چل جائے گا تو سکون سے بیٹھ جا۔'' چوہدری خداداد کے کہنے کے باوجود وہ آگ بجھانے کی کوشش میں جت گیا جس میں اب کمی آ گئی تھی۔

''تو ٹھیک ہے؟'' رابعہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھیں۔ وہاں المیرا' رابعہ' زرتاشہ اور نرگس موجود تھیں۔ وہ یہ کمرا خالی سمجھ کر آیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بھرجائی۔'' اس نے تسلی دی اور جانے لگا۔ رابعہ نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا۔

''مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔ جوتے جل گئے ہیں تیرے اتارے نہیں۔'' المیرا کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ وہ بھی فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ رابعہ نے کہنے کے ساتھ جوتے اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس نے ان کے ہاتھ پیچھے کر دیئے۔

''بھرجائی نہ کر..... میں اتار رہا ہوں۔''

''بچوں کی طرح پالا ہے تجھے اب نخرے نہ کر۔'' رابعہ نے منع کرنے کے باوجود دوسرے پیر سے جوتا اتار دیا۔ المیرا قریب آ گئی' اس کے دونوں پیروں کے سائیڈ سے لال ہو رہے تھے۔ سول مضبوط ہونے کی وجہ سے تلوے بچ گئے تھے۔

''کہہ رہا تھا' سب ٹھیک ہے..... یہ دیکھ.....'' رابعہ بچوں کی طرح اسے ڈانٹ رہی تھی اور وہ مسکرا رہا تھا۔ المیرا کے لیے اس کا یہ روپ بہت نیا اور خوب صورت تھا' نرگس برن ٹیوب لے آئی تھی۔

''سمجھ نہیں آرہا کمرے میں اچانک آگ کہاں سے لگ گئی۔ المیرا تو کہاں تھی؟'' رابعہ نے مرہم اس کے پیروں پہ لگاتے مڑ کر اسے دیکھا۔ عائز نے بھی اسے دیکھا۔ گیلے بالوں سے ٹپکتا پانی متوحش چہرہ جو آگ کی تپش سے گلابی ہورہا تھا۔

''میں واش روم میں شاور لے رہی تھی۔'' اس نے ہولے سے بتایا۔

''اور تو نئی نویلی دلہن کو کمرے میں چھوڑ کر چھت پہ کیا تارے گننے گیا تھا؟'' رابعہ نے اس کی کلاس لی۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

''کمرے کے باہر سے پیٹرول کی بوتل ملی ہے۔ کسی نے منصوبے سے یہ حرکت کی ہے۔ آج رات تم دونوں اس کمرے میں گزار لو۔ میں کچھ کھانے پینے کو بھجواتی ہوں۔'' رابعہ دروازہ بھیڑتی چلی گئی۔ فضا میں دھواں اور جلنے کی بو پھیل گئی تھی۔ وہ مہینوں ساتھ رہے تھے مگر پہلی بار ایک کمرے میں اکیلے تھے۔

''میری جان بچانے کے لیے شکریہ۔'' المیرا نے اسے دیکھتے کہا۔ عائز نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''یہ مت سمجھنا کہ میں نے ایسا تمہاری محبت میں کیا ہے۔ میں دشمن کو بھی اپنے سامنے مرتا نہیں دیکھ سکتا۔ پھر تمہیں کچھ ہوجاتا تو تمہارے گھر والے سمجھتے ہم نے جان بوجھ کے تمہیں نقصان پہنچایا ہے۔ سو کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ مت دینا۔'' سختی سے کہہ کر ٹانگیں سیدھی کرکے وہ لیٹ گیا۔ المیرا نے ایک نظر اس کے وجود پہ ڈالی۔ اس نے آنکھوں پہ بازو رکھ لیا تھا۔

□.....□.....□

رات کا جانے کون سا پہر تھا۔ وہ شاید نیند میں پیر چادر سے رگڑ کھانے پہ کراہا تھا۔ صوفے پہ لیٹی المیرا تیزی سے اٹھی تھی۔ نیم اندھیرے کمرے میں اس نے اس کے پیروں کا معائنہ کیا۔ وہاں آبلے بننے لگے تھے۔ برن ٹیوب لے کر اس نے اس کے پیروں پہ لگانا شروع کردیا۔ وہ بہت آہستگی سے مرہم لگا رہی تھی تاکہ اس کی نیند ڈسٹرب نہ ہو۔ اگر وہ جاگ جاتا تو یقیناً غصہ کرتا۔ کچھ لوگ پلک جھپکتے عزیز ہوجاتے ہیں' عائز عایان بھی المیرا کو اپنی زندگی کا انعام لگنے لگا تھا۔ یہ شخص بہت منفرد تھا۔ کچھ لمحے پہلے پسٹل اس پہ تانے وہ نفرت کا اظہار کرکے گیا تھا اور جب اس کی جان پہ بنی تو اپنی جان کی پروا کیے بغیر اسے بچانے آگ پہ دوڑنے لگا تھا۔

''میں نے کہا نا تم وہ مرد ہو جس پہ ہزاروں المیرا قربان ہوسکتی ہیں۔'' وہ محبت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے کھڑکی کے آس پاس سایہ سا نظر آیا۔ وہ چونک کر باہر نکلی۔ سایہ دور ہوگیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے گئی' چاند نے اس کا عکس واضح کردیا تھا۔ چادر میں لپٹی وہ عائشے گل تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔

''عائز اب ٹھیک ہیں۔ اللہ نے انہیں بچالیا ہے۔ زیادہ زخم نہیں آئے۔'' المیرا سمجھی کہ وہ عائز کو دیکھنا چاہتی ہے' اس لیے تفصیلات بتانے لگی۔

''چاہو تو جاکر کمرے میں دیکھ لو۔'' المیرا نے دوستانہ انداز سے کہا۔ اس کے وجود پہ گہری نظر ڈال کر عائشے گل سامنے آگئی۔

''تو بچ گئی تم؟'' عائشے گل کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ المیرا چونکی۔

''عائز نے تمہیں بچالیا' کب تک رکھوالی کرے گا وہ تمہاری..... کب تک بچوگی۔ ایک نہ ایک دن تو میں تمہاری جان لے کر ہی رہوں گی۔'' عائشے گل پھنکاری۔

''آگ تم نے لگائی تھی؟'' المیرا نے سکون سے پوچھا۔

''ہاں' میں نے لگائی تھی اور لگاتی رہوں گی۔'' وہ نفرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ملے گا یہ سب کرکے؟'' المیرا نے تاسف سے کہا۔

''عائز عایان.....'' عائشے گل دبی آواز سے چیخی۔

''وہ اب بھی تمہارا ہے۔ تم بچپن کی منگ ہو اس کی' مجھے تمہاری حیثیت سے انکار نہیں۔'' المیرا نے سمجھایا۔

"مجھے تم سے اپنی محبت بھیک میں نہیں چاہیے۔" عائشے گل کچھ سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

"تم عائز عایان پہ پہلا حق رکھتی ہو۔ میں ساری زندگی ان کے نام کے ساتھ گزار لوں گی۔" المیرا اس پاگل لڑکی کو دیوانگی سے روکنا چاہتی تھی۔

"جھوٹ..... اگر عائز عایان پہ میرا پہلا حق ہے تو تم مجھ سے پہلے اس کی بیوی کیسے بن گئیں' اس کے بچے کی ماں کیوں بن گئیں' اس کے کمرے میں کیا کر رہی ہو' وہاں میں کیوں نہیں ہوں؟" عائشے گل چیخنے لگی۔

"تم بچپن سے عائز عایان کی منگ ہو' اس سے محبت کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتیں' مگر تم اسے جان نہیں سکی کہ وہ کس کا غلام نہیں ہے۔ میں مہینوں اس کے ساتھ رہی ہوں' مجھ سے زیادہ اس کے کردار کی سچائی کی گواہی اور کوئی نہیں دے سکتا۔" عائشے گل کے چہرے پہ حیرت کے رنگ ابھرے تھے۔

"ہم آج بھی ندی کے دو کنارے ہیں۔ وہ صرف ایک فریب تھا۔ جھوٹ کہا تھا میں نے..... دو خاندانوں کو مزید نقصان سے بچانے کی ایک کوشش کی ہے۔ میں جانتی تھی میں دشمن کے گھر رہنے کی خواہش کر رہی ہوں۔ میرے ساتھ بہت برا سلوک بھی ہو سکتا ہے مگر میں نے اپنی ذات کو فراموش کر دیا کیونکہ میرے سامنے میری بھرجائی' میری عزیز سہیلی' بھرجائی رابعہ' زرتاشہ اور نرگس تھیں۔ میں مزید کسی اور عورت کو اس دشمنی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دینا چاہتی۔ میں نے ایک بازی کھیلی ہے۔ عائز عایان کو جیتنے کے لیے نہیں..... میں اسے زندہ دیکھنا چاہتی ہوں..... تم اس سے محبت کرتی ہو' تم ہی اس کی بیوی بنو گی اور اس کے بچے کی ماں بھی..... میں بس اس کے نام سے جڑی رہنا چاہتی ہوں۔" المیرا نے پوری سچائی بیان کر دی۔

وہ اپنی ذات سے کسی کا برا نہیں کر سکتی تھی۔ خاص طور پر عائشے گل کا تو بالکل نہیں۔ جس کی آنکھوں نے بچپن سے ایک ہی سپنا دیکھا تھا۔ وہ ان آنکھوں سے عائز کا عکس چھیننا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اس کی باتوں کا عائشے گل پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

"تمہیں اس کی زندگی میں کس نے رہنے کا حق دیا۔ اس پہ حق صرف میرا ہے' میں تمہیں اس کے نام سے جڑا رہنے نہیں دوں گی۔ عائز صرف میرا ہے' تم کسی خوش فہمی میں نہ رہو۔" عائشے گل بے حد نفرت کا اظہار کر کے چلی گئی۔ المیرا کئی لمحے تک کھڑی رہی۔

"میں نے اپنی زندگی کو ایک عنوان دیا ہے عائشے گل..... اسے مجھ سے مت چھینو۔" اس نے ایک تھکا ہوا آنسو انگلی پہ سمیٹ لیا۔

□.....□.....□

سب پہ کھل گیا تھا کہ کل لگنے والی آگ لگی نہیں لگائی گئی تھی' مگر لگانے والی اپنی تھی اس کی دلی کیفیت سے بھی سب آگاہ تھے۔ اس لیے اس کا نام کسی کے ہونٹوں تک نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ المیرا نے بھی اپنی اور عائشے گل کی باتیں کسی سے شیئر نہیں کی تھیں۔ ملکانی نصرت خانم کا پرتشویش فون آیا تھا۔

اس نے حادثہ بتا کر انہیں پُرسکون کر دیا تھا۔ وہ مزید اس دشمنی میں رنگ بھرنا نہیں چاہتی تھی۔ یہاں سب جس محبت سے پیش آ رہے تھے وہ ان کی تفصیلات بتا رہی تھی۔ وہ نصرت خانم سے باتیں کر رہی تھی تب ہی عائز کسی کام سے کمرے میں آیا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی وہ اس کی بات سن چکا ہے یا نہیں..... اس کے چہرے سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکی تھی۔

اس وقت وہ رابعہ' زرتاشہ اور نرگس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ زرتاشہ اس کے مہندی سے رچے ہاتھوں کو پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تب ہی دروازہ بجا کر عائز چلا آیا۔ اس نے زرتاشہ کے چہرے کے رنگوں کو بغور دیکھا۔

"سہ پہر تک کراچی کے لیے نکلیں گے اپنا ضروری سامان لے لینا۔" وہ اسے اطلاع دینے آیا تھا۔

"تم لوگ جا رہے ہو؟" نرگس کو جیسے افسوس ہوا۔ المیرا سے بہت اچھی دوستی جو ہو گئی تھی۔

''یار بھر جائی.....'' وہ رابعہ کے قریب بیٹھ گیا۔

''ہاں تم دونوں کا کراچی میں رہنا ہی بہتر ہے۔ یہاں تو.....'' رابعہ الیمیرا کو دیکھتے پُرسوچ انداز میں چپ ہوگئی جیسے منہ سے کوئی غلط بات نکل گئی ہو۔ سب ایک لمحے کو چپ سے ہوگئے۔ الیمیرا نے نظریں اپنی مہندی پہ جمالی۔

''تم سب بھی آنا بھر جائی کراچی۔ مل کر گھومنے چلیں گے۔'' عائز نے تینوں کو مخاطب کیا۔

''مجھے تو کراچی میں بہت مزا آتا ہے' خصوصاً وہاں سمندر ہے۔'' نرگس نے خوشی کا اظہار کیا۔

''اگر موڈ ہے تو چلو بھر جائی۔'' عائز نے حوصلہ بڑھایا۔

''سجاول کو گزرے ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا' سب نے سنا تو باتیں سنائیں گے ہمیں گھومنے کی پڑی ہے۔'' زرتاشہ نے احساس دلایا کہ وہ الہڑ دوشیزہ نہیں جو کہیں بھی منہ اٹھا کر چل دیں۔ وہ ایک چوہدری گھرانے کی بیوہ بہوئیں تھیں جن پر ہر خوشی حرام تھی۔ ماحول میں کچھ بوجھل پن در آیا تھا۔

''الیمیرا کے پاس تو کپڑے نہیں ہیں' یہاں سے شاپنگ کرنے کی بجائے اسے کراچی سے شاپنگ کرا دینا عائز۔'' رابعہ نے موضوع بدلا۔ عائز کو بھی یہی غنیمت لگا وہ کمرے سے نکل کر مردانے کی طرف جا رہا تھا جب عائشے گل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''تو جا رہا ہے..... اسے یہاں سے لے کر۔''

''ہاں.....'' عائز نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''بہت دل آ گیا ہے اس پہ کہ اس کی دوری برداشت نہیں ہوتی۔'' عائشے گل کے اندر کی جلن لہجے میں آ گئی تھی۔

''کیوں خود کو اذیت دے رہی ہے۔'' عائز کو اس پہ ترس آیا۔

''اذیت تو تُو نے دی ہے اسے اپنا کر..... اگر تو چاہتا ہے کہ میں اس اذیت سے چھٹکارا پا لوں تو طلاق دے اسے ابھی اور اسی وقت۔'' عائشے گل زخمی شیرنی لگ رہی تھی۔

''اگر نہ دوں تو.....'' اس نے کبھی کسی کا یہ انداز برداشت نہیں کیا تھا۔ کوئی اس پہ حکم صادر کرے اسے پسند نہیں تھا۔

''میں تجھ سے اسی وقت شادی کروں گی جب تو اسے طلاق دے دے گا۔'' عائشے گل نے شرط لگائی۔

''میں نے پورے گاؤں والوں کے سامنے اس سے نکاح کیا ہے اگر بغیر کسی وجہ کے طلاق دے کر دشمنی نبھاؤں تو پھر لعنت ہے مجھ پہ..... تو منگ ہے میری' تیرے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا' لیکن اگر طلاق تیری شرط ہے تو پھر جا میں تجھ سے شادی نہیں کرتا۔'' عائز کا ایک ایک لفظ اس نے بغور سنا اور کئی لمحے سن رہ گئی تھی وہ کب کا جا چکا تھا۔

□.....□.....□

وہ اپنی تین کمروں کے خوب صورت اپارٹمنٹ میں لوٹ آئی تھی۔ پہلے کی طرح اسے لاؤنج میں ہی چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں بند ہوگیا تھا۔ وہی کچن' جس میں کھڑے ہو کر اس نے کتنی ڈشز تیار کی تھیں۔ کپ شیلف پہ اسی طرح پڑا تھا جس طرح اس نے عائز کے ڈانٹنے کے بعد رکھ چھوڑا تھا۔ اس میں موجود چائے اپنا رنگ بدل چکی تھی۔ اس کے قدم اپنے زیر استعمال کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ہر چیز اپنی جگہ اسی طرح موجود تھی جیسے چند روز پہلے تھی۔

اس گھر میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اب وہ اس گھر کو نئے سرے نئے زاویے سے دیکھ رہی تھی پہلے اس گھر کو وہ اپنی جائے پناہ سمجھتی تھی اور اب..... وہ ایک شرعی حیثیت سے موجود تھی۔ وہ ہر کسی کو سر اٹھا کر بتا سکتی تھی کہ وہ اس گھر کی مالکن ہے۔

□.....□.....□

کبھی کبھی انسان اپنی ضد کی اس انتہا تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے صرف خود کو جیتتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔ ہار اسے اپنی موت لگتی ہے' جیت اور ہار کے بیچ ڈولتا وجود زندگی پہ بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔ ایسے میں کوئی خوشی' کوئی دکھ

نا نہیں کرتا‘ آنکھیں خشک سیلاب بن کر ویران ہو جاتی ہیں۔ سوچ کے دریچوں پر جیسے قفل پڑ جاتے ہیں‘ دل کسی پرانے ویران کھنڈر کی طرح بیابان ہو جاتا ہے‘ وقت جیسے صحرا کی تپتی ریت پہ لا کھڑا کرتا ہے۔ انسان اس ضدی بچے کا روپ دھار لیتا ہے جو اپنا من پسند کھلونا کسی طور کسی سے شیئر نہیں کرنا چاہتا اور اگر کوئی زبردستی اس کھلونے سے کھیلنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ضدی بچہ بپھر جاتا ہے‘ اس کھلونے کے حصول پر بضد رہتا ہے۔ عائشے گل کے لب ساکت تھے آنکھیں اجاڑ تھیں‘ مگر دل دھڑک رہا تھا۔

عائز......عائز!

دھڑکن اس کے نام پہ دھڑک رہی تھیں۔ دکھ آنکھوں کی پتلی پہ جیسے جم گیا تھا۔ اس کی ضد نے جنون کا روپ دھار لیا تھا۔ وہ جس نے بچپن سے صرف عائز عایان کو دیکھا‘ سوچا خود سے بڑھ کر چاہا جو صرف اس کا تھا لیکن اسے پانے کی گھڑی جیسے نزدیک آئی زندگی کے موڑ پہ المیر اجانے کہاں سے آ ٹکرائی۔ کتنی کالی راتیں‘ اس نے بے دار دل کے آگے ماتم کرتے گزاری تھیں۔ کتنی چمکتی شمسیں اسے بے نور لگی تھیں۔ کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ رات کے پچھلے پہر ویران سڑکوں پہ اپنی گم گشتہ محبت کو کھوجنے نکل جائے۔ سناٹے میں چیخ چیخ کے اپنے رب سے پوچھے کہ اس کی زندگی اتنی اجاڑ کیوں کردی......محبت نے اس کے دل کو امر بیل کی طرح اپنے سنگ باندھ لیا تھا تو عائز عایان کے دل پہ ڈیرے کیوں نہ ڈال سکی......؟ وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے دنیا سے کٹی بیٹھی تھی۔ رخسانہ اس کے کمرے میں آئیں۔

”عائشے گل......کھانا کھالے۔“ رخسانہ سے بیٹی کی حالت دیکھی نہیں جارہی تھی۔

”مجھے بھوک نہیں۔“ اس نے انکار کر کے چادر اٹھالی‘ اس کے چہرے پہ گھمبیر خاموشی تھی۔

”اتنی رات کو کہاں جارہی ہے؟“ رخسانہ کو حیرانی ہوئی۔

”حویلی جارہی ہوں۔“

”صبح چلی جانا۔“ رخسانہ نے روکنا چاہا۔

”نہیں ابھی......صبح تک بہت دیر ہو جائے گی۔“ لہجہ اٹل تھا۔

”کیا کرے گی ابھی وہاں جا کے۔“ رخسانہ کو اس کا انداز سمجھ نہیں آرہا تھا۔

”تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔“ وہ کمرے سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھی۔

حویلی میں سب نے اس کا خوش دلی سے استقبال کیا۔ رابعہ اور سب کھانے پہ اصرار کررہے تھے۔ نفی میں سر ہلاتی وہ عائز کے کمرے کی طرف بڑھ آئی جو راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔ سب نے ہمدردی سے اس کی پشت کو دیکھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی جلی ہوئی چیزوں کی بو نے اسے خوش آمدید کہا۔ کس قدر خوب صورتی سے سجا ہوا تھا یہ کمرا‘ قیمتی فرنیچر‘ پھولوں سے سجی ہوئی سیج لیکن اب ان خاکستر چیزوں کے نشان باقی رہ گئے تھے۔ وہ مٹھی بھر کر راکھ کو اٹھا رہی تھی۔ اسے اپنا وجود مٹھی سے بکھرتی راکھ لگ رہا تھا۔ راکھ اٹھا کر اس نے ماتھے پر لگالی تھا۔

□......□......□

رات گہری تھی جب اسے بھوک کا احساس ہوا۔ لاؤنج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے لائٹ جلائی‘ فریج میں سالن جوں کا توں رکھا ہوا تھا۔ ہاٹ پاٹ میں روٹی بھی رکھی تھی جو ظاہر کررہی تھی کہ اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ اس کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ جاگ رہی ہے لب بھینچ کر اس نے المیرا کے دروازے پہ دستک دی مگر جواب ندارد......اب کے اس نے زور سے دروازہ بجایا چند ثانیے بعد دروازہ کھل گیا تھا۔ نماز دوپٹے کے اسٹائل سے اوڑھے وہ کھڑی حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کونے میں بچھی جائے نماز ظاہر کررہی تھی کہ وہ نماز پڑھ رہی تھی۔

”فری ہوگئی ہو تو کھانا گرم کردو۔“ حکم دے کر ڈائننگ چیئر کی طرف بڑھ گیا۔ ایل ای ڈی آن ہو چکا تھا۔ وہ نماز پڑھ چکی تھی۔ جائے نماز سمیٹ کر کچن میں آئی۔ سالن گرم

کرنے چولہے پہ رکھا' باقی کی چیزیں میز پہ لگانے لگی۔ اسپگیٹی اوون میں رکھی' سلاد' چکن' آلو کری' گھر کی روٹی میز پہ سج گئی تھی۔ اوون سے اسپگیٹی نکال کر لے آئی تو وہ کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ گلاس میں پانی انڈیل کر وہ پلٹنے لگی۔

''تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''بھوک نہیں تھی۔'' اس نے انگلی چٹخاتے ہوئے جواب دیا۔

''جب بھوک نہیں تھی تو آتے ہی کچن میں لگنے کی کیا ضرورت تھی' میں خود کر لیتا یا باہر سے لے آتا...... مجھ پہ سگھڑاپے کا رعب جمانے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ برہم ہوا۔ وہ ڈر سی گئی۔

''میں نے سوچا تھا بعد میں......''

''بیٹھو......'' حکم ہوا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

''یہ رکھ لو۔'' عائز عایان نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ میز پہ رکھ کر اس کی طرف بڑھائے۔ وہ حیران نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''مجھے جب ضرورت ہوگی میں آپ سے لے لوں گی۔'' وہ لینے میں تامل کر رہی تھی۔

''کب لوگی بے عزتی کروانے کے بعد۔'' وہ خشمگیں نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ ''جب میرے نام کا ٹیگ زبردستی لگوالیا تو میرے پیسے رکھنے میں کیوں ہچکچا رہی ہو؟'' اس کی کڑوی کسیلی باتوں پہ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اس نے پیسے رکھ لینے میں ہی عافیت جانی۔

''کھانا کھاؤ۔'' تیز لہجے میں اگلا حکم ملا۔ وہ بنا چوں وچراں کیے کھانے لگی۔

وہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو اس کا سیل بجنے لگا۔ المیرا ابھی اتنی رات گئے کال پہ چونک گئی۔ حویلی کا نمبر تھا۔

''ہیلو عائز عایان آن دی لائن۔'' اس کا مخصوص لب ولہجہ تھا۔ برتن سمیٹتی المیرا کے کان فون پہ ہونے والی گفتگو پہ لگے ہوئے تھے۔ دوسری طرف عائشے کی آواز سن کر اس کے منہ کا زاویہ بگڑا۔

''اتنی رات گئے کال......؟ تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا۔'' وہ چلایا۔ ایل ای ڈی کی آواز کے باوجود اس کی آواز المیرا کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ جان گئی تھی دوسری طرف عائشے گل ہے۔ وہ فون لے کر لاؤنج کی بالکنی کی طرف چلا گیا۔

''مسئلہ کیا ہے عائشے گل' کیوں پاگلوں والی حرکتیں کر کے پریشان کر رہی ہو مجھے۔'' وہ ٹھیک ٹھاک چڑ گیا تھا۔ اس لڑکی کا جنون اسے غصہ دلانے لگا تھا۔

''میں نے تم سے صرف آخری بار یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے کہ تم المیرا کو طلاق دے رہے ہو یا نہیں۔'' عائشے گل جیسے کسی نتیجے پہ پہنچنا چاہ رہی تھی۔

''اور میں تمہیں پہلے بھی جواب دے چکا ہوں نہیں۔'' وہ اڑا ہوا تھا۔

''تو ٹھیک ہے گزارو زندگی اس کے ساتھ۔'' عائشے گل کی سرسراتی آواز سنائی دی پھر اس نے کال کاٹ دی۔ وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔

وہ سنجیدگی سے عائشے گل کی شکایت چوہدری خداداد اور چاچا طیب سے کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ صبح دس بجے حویلی سے کال آگئی تھی۔ عائشے گل نے خودکشی کر لی تھی۔ ایک لمحے کو وہ سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اگلے پل اس نے المیرا کا دروازہ دھڑ دھڑایا تھا۔ وہ بوکھلا کر بغیر دوپٹے کے دروازے تک آئی۔

''میں حویلی جا رہا ہوں' تم یہاں رہنا چاہو تو رہ سکتی ہو۔'' اس کا انداز المیرا کی سمجھ سے باہر تھا۔ ویسے بھی وہ نیند سے جاگی تھی۔ حواس بحال ہونے میں کچھ وقت لگا۔ وہ عائز کے کمرے کے دروازے تک آئی' جہاں وہ بیڈ پہ بیٹھا جوتے پہن رہا تھا۔

''خیریت تو ہے نا؟'' اس کا دل انہونی کے خیال سے کانپنے لگا۔

''عائشے گل مر گئی ہے اس نے خودکشی کر لی۔'' المیرا نے لڑکھڑا کر دروازہ تھاما۔ وہ ضروری چیزیں چھوٹے سے بیگ میں رکھ رہا تھا۔

''میں بھی ساتھ چلوں گی۔'' وہ واش روم کی طرف بھاگی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ روتی آنکھوں پہ اس نے پانی کے چھپاکے مارے۔ چادر سے منہ رگڑ کر باہر آئی تو وہ خارجی گیٹ پہ کھڑا تھا۔ وہ بائی ایئر سفر کر رہے تھے۔ المیرا کے آنسو نہیں رک رہے تھے۔ اسے اس دیوانی لڑکی سے اسی بات کا ڈر تھا۔ اس نے خاموشی سے اسے روتے دیکھا تھا۔

❐.....❐.....❐

چاچا طیب کی حویلی سوگوار تھی۔ عائز مردانے میں چلا گیا تھا۔ المیرا کو رابعہ' زرتاشہ اور نرگس نے اپنے پاس بٹھالیا۔ قدسیہ بانو' دیورانی کو حوصلہ دے رہی تھیں۔

''یہ منحوس کھا گئی میری بیٹی کی خوشیوں کو۔'' اسے دیکھتے ہی رخسانہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھیں۔ سب کے گھیرے میں ہوتے ہوئے بھی رخسانہ نے المیرا کے بال نوچ دیئے' رابعہ اور باقی سب نے المیرا کو بچانے کے لیے قدسیہ بانو کے ساتھ بپھری رخسانہ کو قابو کرنے لگیں۔

''ہوش کر رخسانہ.....'' قدسیہ بانو نے انہیں جنون سے باز رکھنے کو کہا۔

''میں خون پی جاؤں گی اس حرافہ کا۔ جب سے آئی ہے میری عائشے گل انگاروں پہ لوٹنے لگی تھی۔ آج یہ عائز کی بیوی بنی بیٹھی ہے۔ میں جان سے مار دوں گی اسے۔'' رخسانہ آپے سے باہر ہو رہی تھیں۔ المیرا' عائشے گل کے مردہ وجود کو دیکھتے شدت سے آنسو بہا رہی تھی۔

کسی نے مردانے میں بھی خبر کر دی تھی۔ عائز عایان فوراً آیا تھا۔ رخسانہ اب المیرا کو گالیاں اور بددعا دے رہی تھیں۔

''بھر جائی..... المیرا کو حویلی لے جائیں۔'' روتی ہوئی المیرا کی طرف اشارہ کر کے اس نے رابعہ کو کہا تو رابعہ نے اسے اٹھایا' رابعہ اسے حویلی چھوڑ کر واپس چلی گئی تھی۔

حویلی میں وہ اکیلی تھی۔ اسے شدت سے رونا آ رہا تھا۔ اس نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔ اس نے عائشے گل کو سچ بتا دیا تھا مگر اس نے پھر بھی انتہائی قدم اٹھالیا تھا۔ وہ خود کو اس کا مجرم سمجھ رہی تھی۔

''تمہارے رونے سے وہ واپس نہیں آ جائے گی۔'' اسے خبر نہیں ہوئی وہ کب حویلی کی چھت پہ آ گیا تھا۔

''میں نے ایسا نہیں چاہا تھا' میرا یقین کریں۔ وہ ہی آپ کی اصل بیوی بنتی' میں تو.....'' آنسوؤں کی روانی میں اس سے مزید کچھ بولا نہ گیا۔

''وہ اسی وقت شادی کرتی جب میں تمہیں طلاق دیتا۔'' المیرا نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

''اس کی ایک یہی شرط تھی جسے میں ماننے سے انکاری تھا۔''

''کیوں انکار کیا..... مان لیتے اس کی بات..... آج وہ زندہ تو ہوتی۔'' وہ رونے لگی۔

''تم دو عورتوں نے مجھے تماشا بنا رکھا ہے..... تم ہی تھیں جس نے بھرے مجمعے میں مجھ سے نکاح کرنے اور میرے بچے کی ماں ہونے کا دعویٰ کر کے مجھے سب کی نظروں میں گرایا تھا' اور ایک عائشے گل تھی جس نے شادی کے لیے تمہیں طلاق دینے کی شرط رکھی..... میں تم دونوں عورتوں کے ہاتھوں مزید بلیک میل نہیں ہو سکتا تھا' سمجھیں۔ ایک تو مر گئی اب تم ساری زندگی سوگ مناؤ۔'' وہ جلے بھنے لہجے میں کہہ کر چلا گیا۔

عائشے گل کی تدفین کے بعد اس نے کراچی جانے کی تیاری پکڑی۔ سب چاہتے تھے وہ سوئم تک رکے مگر بار بار حویلی اور کراچی کے چکر میں اس کی اسٹڈی اور بزنس بری طرح ڈسٹرب ہو رہے تھے۔ سب نے المیرا کو روکنا چاہا مگر اس کی پریشانی کو دیکھتے المیرا کو بھی اس کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

❐.....❐.....❐

واپس آ کر بھی اس کا غم کم نہیں ہوا تھا۔ عائز صبح کا نکلا رات تک لوٹتا تھا۔ پچھلے دنوں وہ بزنس کو جتنا اٹینشن نہیں دے پایا تھا اس کا ازالہ کرنے کی کوشش میں اکثر دیر ہو جاتی تھی۔ خاموشی' تنہائی پہلے بھی اس تین کمروں کے بڑے سے اپارٹمنٹ میں تھی مگر المیرا کو اب یہ خاموشی محسوس نہیں

ہوتی تھی۔ کہ وہ خود بہت خاموش ہوگئی تھی۔ عائز کے کپڑے دھوبی کو دینے کے لیے اس کی جیبیں چیک کیں کہ کہیں کوئی ضروری چیز نہ رہ گئی ہو تب ہی ایک تہہ کیا ہوا کاغذ اس کے ہاتھ لگا۔ بلاارادہ اس نے کاغذ کھول لیا۔

میرے ساحر سے کہہ دینا
مسافر آج تک چپ ہے
کہ اس کے ہاتھ میں تم نے
جو اپنا ہاتھ رکھا تھا
وہ اب تک یاد کرتا ہے
میرے ساحر سے کہہ دینا
کہ صدیوں کی مسافت نے
میرے پیروں سے باندھی ہے
تھکن اب کے برس اتنی
کہ اپنی ڈوبتی نبضوں سے خائف سا رہتا ہوں
نہ جانے کب کہاں پہ عمر کی یہ ڈور کٹ جائے
میں اپنے اور تمہارے بیچ کے ان فاصلوں کو
چند سانسوں کی کمی سے ہار نہ جاؤں
میرے ساحر سے کہہ دینا
کہ اس کے عشق کے طلسم سے اب تک وہ نہیں نکلے
کہ جن کو اس کی آنکھوں نے فقط ایک بار دیکھا تھا

نیچے عائشے گل نے اپنا نام عائز عایان کے ساتھ لکھا تھا۔ ایک ایسی خوب صورت حسرت تھی جو شاید وہ زندگی میں پوری نہیں کرسکی تھی شاید عائشے گل نے آخری پیغام اس کے نام لکھا تھا۔ المیرا کے آنسو بہنے لگے تھے۔ عائشے گل کا آخری پیغام اس نے احتیاط سے عائز عایان کی کتابوں میں رکھ دیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ خاموش اور مضمحل ہوگئی تھی۔ عائشے گل کا غم اسے چاٹ رہا تھا۔

عائز غیر متوقع طور پہ جلدی لوٹ آیا تھا۔ اس نے کچھ کارٹن اٹھا رکھے تھے۔

"چیک کرلو۔" عائز نے اسے اشارہ کیا۔ وہ کارٹن میں موجود چیزیں باہر نکال رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کارپٹ پہ دوزانو بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ یہ اس کی کتابیں تھیں جس میں اس کا نام جگمگا رہا تھا۔

"اچھی طرح چیک کرلو کچھ رہ گیا ہو تو کل میرے ساتھ ہاسٹل چل کے باقی چیزیں اٹھا لینا۔" المیرا کے چہرے پہ خوشی و مسرت کے رنگ تھے۔ وہ اپنی کتابوں پہ انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"میں نے کالج میں بات کرلی ہے تم ایگزام کی تیاری شروع کردو میں نے اپنے دوست کی اکیڈمی میں بھی تمہارا ایڈمیشن کرا دیا ہے جتنا تمہارا ہرج ہوا ہے وہ تیاری کروا دے گا۔" المیرا اشاک کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے سوگ منانے سے عائشے گل لوٹ کر نہیں آئے گی۔ کچھ ایسا کرو کہ اس کی روح کو سکون ملے۔ ہاؤس جاب کے بعد چاہو گی تو گاؤں میں ہاسپٹل بنوادوں گا عائشے گل کے نام پہ..... تاکہ ہم دونوں احساس ندامت سے نکل سکیں۔" اس نے پہلی بار اظہار کیا تھا کہ اسے بھی عائشے گل کے مرنے کا افسوس تھا۔ المیرا اس مہربانی پہ مشکور ہوگئی تھی۔

"بہت شکریہ!" مارے تشکر کی اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا لیکن اب اس خواب کو حقیقت بنانے کے لیے اس کے پاس ایک سولڈ ریزن تھا۔ وہ دلجمعی سے پڑھنے لگی منزل کی طلب نے اس کی صبح اور شاموں کا رنگ بدل دیا تھا۔

□.....□.....□

ملکانی نصرت خانم ہمیشہ اسے کریدتی رہتی تھیں۔ ڈاکٹری کی تعلیم کا سلسلہ پھر سے جڑنے کا سن کر انہیں اطمینان ہوا تھا۔ ملک رب نواز بیٹی کے ساتھ اچھے سلوک پہ نہ چاہتے ہوئے بھی دشمن کے معترف ہوگئے تھے کہیں نہ کہیں ان کے اندر بھی اس دشمنی کے ختم ہونے پہ اطمینان آ گیا تھا۔ انہیں بھی بیٹوں کا غم تھا۔ مگر جو حیات تھے وہ انہیں نہیں کھونا چاہتے تھے۔ پچھلی بار المیرا حویلی آئی تو اس نے ملک جعفر کو کنیز کی ادھوری تعلیم کے لیے منایا تھا۔ اس نے نیم رضا مندی دے دی تھی کہ وہ لاہور کالج میں مائیگریٹ کروادیں گے۔ المیرا کے لیے یہ بھی بہت تھا۔

صبح کالج' شام کو اکیڈمی وہ بہت مصروف ہوگئی تھی۔ اکیڈمی گھر سے دس منٹ کی دوری پہ تھی۔ دوسری اسٹریٹ کی کچھ لڑکیاں بھی اسی اکیڈمی میں جاتی تھیں واپسی میں وہ ان کے ساتھ ہی واک کرلیتی تھی۔ وہ واک کررہی تھی جب تیز رفتار گاڑی نے اس کی راہ میں آ کر بریک لگائے۔ اپنی دھن میں مگن وہ چونک گئی۔ عائز عایان ڈرائیونگ سیٹ پہ تھا۔ اس نے جھک کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

''روز واک کرتی ہو.....؟'' حیرت سے سوال ہوا۔

''جی.....'' اس نے کتابیں گود میں رکھ لیں۔

''ہم آٹو کیوں نہیں لیتیں؟ کل سے آٹو تمہیں پک اینڈ ڈراپ دے گا۔'' اگلا فیصلہ سنایا گیا۔

''پانچ سات منٹ کی تو واک ہے۔ روز اسٹریٹ کی لڑکیاں ہوتی ہیں آج اتفاق سے چھٹی کرلی سب نے۔ آٹو کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چپ رہا۔

''آپ جلدی آ گئے؟'' وہ غیر متوقع اسے دیکھ کر حیران تھی۔

''آج رمیز کی انگیجمنٹ ہے۔'' الیمر اکو بھی یاد آ گیا۔ رمیز عائز کا بہت اچھا دوست تھا۔ جس کی اکیڈمی میں وہ کلاسز لے رہی تھی کچھ دن پہلے ہی وہ کارڈ لے کر گھر آیا تھا۔ آج وہ اکیڈمی بھی نہیں آیا تھا۔ سب باخبر تھے کہ آج اس کی منگنی تھی مگر دیگر ٹیچرز تھے جس کی وجہ سے اکیڈمی میں چھٹی نہیں ہوئی تھی۔

''نو بجے تک تیار ہوجانا..... تم ساتھ چلوگی۔'' گھر آچکا تھا' کار کو بریک لگاتے اس نے کہا اور کسی کی تقریب ہوتی تو وہ یقیناً اسے ساتھ نہیں لے جاتا۔ الیمر اجانتی تھی وہ ایسا صرف دوست کے اصرار پہ کررہا تھا جس نے دونوں کو آنے کی خاص تاکید کی تھی۔

وہ وارڈروب کھولے کھڑی تھی۔ ہر بار حویلی سے واپسی آتے کئی جوڑے ملکانی نصرت اور قدسیہ بانو نے دیئے تھے وہی ہنگر تھے۔ عائز نے بھولے سے شاپنگ نہیں کرائی تھی۔ وہ کہیں ساتھ لے کر نہیں جاتا تھا' آج بھی دوست کا اصرار نہ ہوتا تو وہ کبھی اسے دم چھلہ نہ بناتا۔ الیمر امجروح مسکراہٹ سے سوچ کے رہ گئی۔ وہ شخص قول وفعل کا کتنا پکا تھا یہ اس نے جان لیا تھا۔ وہ اسے ذمہ داری ضرور سمجھتا تھا اس کی ہر ضرورت پوری کرتا مگر خود سے اتنا ہی دور رکھا تھا جتنا پہلے دن سے تھا۔

وہ سوٹ کا انتخاب کرکے شاور لینے چلی گئی۔ چینج کرکے اس نے کرلی بالوں کو سلیقے سے کلپ لگا کر پیچھے سے کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ لائٹ سا فاؤنڈیشن لگا کر اس نے آنکھوں کا ہلکا سا میک اپ کرکے نیچرل کلر سے ہونٹوں کو رنگا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی وہ اسے ساتھ لے جا کر شرمندہ ہو۔ دروازے پہ دستک ہوئی' ٹھیک نو بج رہے تھے۔ جلدی سے دوپٹا اٹھا کر سیٹ کرکے اس نے دروازہ کھولا۔

''ہوگئیں تیار؟'' بلیک جینز شرٹ اور گرے جیکٹ میں وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ الیمر اکا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ وہ بھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ گرے پاجامے' بلیک شرٹ جس پہ گرے اسٹونز کا خوب صورت کام تھا۔ گرے دوپٹا ایک شانے پہ سلیقے سے تہہ کرکے پن لگایا گیا ہوا تھا۔ جس کے اوپر گرلز کی ہوئی لٹیں جھول رہی تھیں۔ دوسرے شانے پہ دوپٹے کا سرا لگا ہوا تھا۔ باقی دوپٹا بازو پہ جھول رہا تھا۔

''میں نیچے گاڑی میں تمہارا ویٹ کررہا ہوں' گھر لاک کرکے جلدی آجاؤ۔'' وہ دروازے سے پلٹ گیا۔ وہ گھر لاک کرکے چلی آئی

وہ باہر دیکھتی رہی' راستہ ہمیشہ کی طرح خاموشی سے کٹا تھا۔ تقریب خاصی اچھی رہی تھی۔ تقریب گیٹ ٹوگیدر تھی' عائز اس کے ساتھ ہی موجود تھا۔ انگوٹھی پہنانے کی رسم پہ اسٹیج پہ ہوتی نوک جھونک کو وہ دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیسی ہو الیمر ا؟'' وہ بری طرح چونکی تھی' اس کی نظروں کے عین سامنے ملک احتشام آ کھڑا تھا۔ الیمر ا نے ڈرتے ڈرتے عائز کی طرف دیکھا۔ وہ پہلے کی طرح کسی سے فون پہ بات کرتے ملک احتشام کو دیکھ رہا تھا۔

''اچھی منگیتر تو کبھی نہیں بنیں کزن ہونے کے ناتے حال احوال تو پوچھ ہی سکتا ہوں۔ یا میاں سے اس کی بھی اجازت لینی پڑے گی۔'' ملک احتشام چیئر گھسیٹ کر ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا عائز فون سے فارغ ہو چکا تھا۔

''عائز عایان.....'' عائز نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جسے ملک احتشام نے تھام لیا۔

''آئے نو یو آخر کو المیر ا کے شوہر ہیں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ملک احتشام' المیر ا کا ماموں زاد اور ایکس منگیتر۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''آئے نو یو.....'' عائز نے اس کے لفظ دہرائے۔

''کیا شادی کے بعد اس نے بولنا چھوڑ دیا ہے؟'' ملک احتشام' المیر ا کی خاموشی پہ عائز عایان سے دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''یہ اپنی مرضی سے بولتی ہیں۔'' عائز نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ ملک احتشام ہنسنے لگا۔

''آئے نو بہت موڈی ہے۔ کزن اور منگیتر ہونے کے باوجود کبھی اس نے گھاس نہیں ڈالی' پھر بیچ میں آپ آ گئے..... نسلی برا لگا تھا۔ المیر ا نے مجھ سے کوئی وعدے نہیں کیے تھے ہاں مجھے یہ پسند ہے۔ شی از سچا اے ونڈر فل گرل۔'' المیر ا کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کیسے ری ایکٹ کرے۔

''برادر..... ایک مرحلہ ہوتا ہے دل جیتنے کا' اور جب آپ بنا کسی جنگ کے المیر ا کا دل جیت چکے تھے جس کی وجہ سے اس بندی نے بھری پنچائیت میں آپ سے شادی کی بات کی تو میں کون ہوتا تھا مورچہ سنبھالنے والا..... آپ مجھ پہ گن تانتے' میں آپ پہ..... کیا فائدہ' جب بندی کسی اور کا ساتھ چاہ رہی تھی تو میں زبردستی کر کے کیا کرتا۔ آپ کی منگیتر عائشے گل کی خودکشی کا سنا افسوس ہوا۔ اسے آپ سے سچی محبت ہوگی' لیکن بھئی ہم کسی کے لیے جان نہیں دے سکتے ہاں دعا ضرور دے سکتے ہیں ہمیشہ خوش رہنے کی۔'' ملک احتشام بول رہا تھا۔ عائز عایان اسے سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ اسے یہ سچا انسان اچھا لگا تھا۔

المیر اخود کو سخت مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر..... کراچی آتے جاتے ہیں تو آیئے کبھی گھر۔'' عائز نے دعوت دی۔

''ضرور۔'' ملک احتشام نے خوش دلی سے اس کی دعوت قبول کی۔

''اب تو بول دو۔'' اس نے جیسے التجا کی۔

''یہاں کیسے؟'' المیر ا کو اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

''شکر ہے کچھ تو بولی۔'' ملک احتشام ہنسا۔

المیر ا کو اس کی ذات کی سچائی آج ہی نظر آئی تھی۔ اس نے جس طرح گفتگو کا آغاز کیا تھا وہ ڈر گئی تھی کہ شاید کوئی تلخ کلامی نہ ہو جائے دونوں کے بیچ۔

''لڑکی کا بھائی بہت اچھا دوست ہے اور بھئی ہم تو یاروں کے یار ہیں۔'' ملک احتشام زندہ دلی سے بولا۔

''تم کب کر رہے ہو شادی؟'' عائز عایان نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

''تلاش جاری ہے' منگ کو تو آپ لے اڑے۔'' وہ پھر ہنسا۔ المیر ا نے نظریں چرا لیں۔ عائز عایان نے ایک نظر اس پہ ڈالی۔

''سب کو اپنے نصیب کا ملتا ہے' تمہیں بھی مل جائے گی۔'' عائز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ المیر ا نے بے ساختہ اسے دیکھا۔ کم از کم اس نے اسے اپنا نصیب تو مانا۔

پوری تقریب میں ملک احتشام ان کے ساتھ ہی رہا۔ ملک احتشام وکالت پڑھ رہا تھا۔ فصاحت و بلاغت سے لبریز گفتگو کرتے المیر ا اسے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ دونوں کافی دیر ملکی حالات پہ باتیں کرتے رہے تھے۔ ملک احتشام نے دشمنی کا اختتام کرنے پہ دونوں کو پرسنلی سراہا تھا۔ وہ جب اٹھے تو دونوں میں اچھی دوستی ہو چکی تھی۔

''جب اتنا اچھا منگیتر تھا تو مجھے گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ ٹیز کرنے سے باز نہ آیا۔ المیر ا نے ڈرائیونگ کرتے اسے دیکھا۔ وہ ونڈ اسکرین پہ نظریں جمائے بیٹھا تھا المیر ا نے رخ پھیر کر پلکوں پہ چمکتے موتی کو انگلی پہ چن لیا

تھا۔ واپسی کا راستہ بھی خاموشی سے کٹا تھا۔

□.....□.....□

اسے مین گیٹ پہ اتار کر وہ بلڈنگ کی بیسمنٹ میں گاڑی پارک کرنے چلا گیا۔ المیر اچھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی۔ اس نے چند سیڑھیاں ہی طے کی تھیں کہ لائٹ چلی گئی۔ گھپ اندھیرے میں سیڑھیاں ڈوب گئیں۔ اس کا سیل فون گاڑی میں ہی رہ گیا تھا ہوتا تو ٹارچ ہی استعمال کر لیتی۔ اس نے اندازے سے سیڑھی پہ پیر رکھا۔ دو اسٹیپ ہی چڑھی تھی کہ اس کے پیر سے کوئی نرم چیز ٹکرائی۔ اندھیرے میں اس نے بلی کی دم پہ پاؤں رکھ دیا تھا' جو بلی کو کچھ زیادہ پسند نہ آیا۔ اس نے زوردار طریقے سے احتجاج کیا۔ المیر ا کے ہونٹوں سے چیخ نکل گئی۔ خوف زدہ ہو کر دیوار سے لگنے کی کوشش میں وہ اپنا توازن بمشکل سنبھال سکی مگر پیر بری طرح مڑا تھا۔ اسے بھاگتے قدموں کی آواز قریب آتی محسوس ہوئی۔

''عائز.....'' وہ بری طرح خوف زدہ ہو کر اسے بے ساختہ پکار بیٹھی۔ دفعتاً اس کے ہاتھ کو کسی نے نرمی سے تھام لیا۔ ماحول میں روشنی ہوگئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ عائز تھا' کی چین میں لگے چھوٹے سے ٹارچ کو آن کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے روشنی ہوگئی تھی۔

''چلو۔'' اس نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک قدم اٹھا کر کراہ کے رہ گئی۔

''وہ بلی..... اچانک آ گئی تو..... میں لڑکھڑا گئی۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ درد شدید ہو رہا تھا۔

''یہ پکڑو۔'' کی چین اسے تھمایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی وہ اسے بازوؤں میں اٹھا چکا تھا۔ گو کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا مگر وہ شرم سے کٹ سی گئی تھی۔ کی چین اس کے ہاتھ میں تھا جس میں لگے ٹارچ کی روشنی میں وہ سفر طے کر رہے تھے۔ وہ مین گیٹ تک آئے تو لائٹ آ گئی۔

''لاک کھولو۔'' اسے نیچے اتارے بغیر اس نے کہا تو المیر انے بامشکل کپکپاتے ہاتھوں سے لاک کھولا۔ وہ اس کے کمرے تک آیا اور اسے نیچے اتارا' المیر ا تیزی سے الگ ہوئی مگر جتنی تیزی سے الگ ہوئی تھی دوبارہ اسے اتنا ہی قریب آنا پڑا۔ بلیک خوب صورت گلے تک جھولتا ایئر رنگ اس کی جیکٹ کے بٹن میں پھنس گیا تھا۔ کان جھنجلا گئے تھے۔ سی کے ساتھ اس نے اپنا کان بے ساختہ پکڑا جیسے کٹنے کا ڈر ہو۔ اس کے کان بخوبی اس کے دل کی دھڑکن سن سکتے تھے۔ اس کی اذیت کو دیکھتے اس کے ہاتھ پہ عائز کا ہاتھ آ پڑا تھا۔ نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر اس نے بٹن سے ایئر رنگ کا ہک نکال کر اسے دیکھا۔ وہ تیزی سے دور ہوگئی تھی۔ رخ پھیر کر اس نے کان پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ تیز رفتاری میں وہ پیر کی موچ کو فراموش کر گئی تھی۔ اگلے لمحے کراہ کے بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ وہ اس کے سامنے جوتوں کے بل بیٹھ گیا۔

''دکھاؤ' کہاں موچ آئی ہے؟'' وہ ہائی ہیل اتار رہی تھی' ٹخنے پہ سوجن آ گئی تھی۔ ''سوجن تو زیادہ لگ رہی ہے۔ ہاسپٹل چلو؟'' پیر کو فکرمندی سے دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل وہ اس کے جتنے قریب تھا اس سے اس کے اعصاب پہلے ہی منتشر تھے وہ جلدی سے بولی۔

''نہیں رات زیادہ ہوگئی ہے۔ میں گرم پانی سے سکائی کر کے آئیوڈیکس مل کر گرم پٹی باندھ لوں گی' پھر میرے پاس پین کلر بھی ہے۔'' المیر انے جلدی سے اس کی فکر دور کرنے کی کوشش کی۔ مبادا وہ پھر اسے اٹھا کر نیچے نہ لے جائے۔ وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''یہ ٹھیک ہے ڈاکٹری جھاڑو اپنی۔''

''اگر زیادہ تکلیف ہوئی تو میں صبح چلوں گی ہاسپٹل۔'' اسے لگا وہ برا مان گیا۔ وہ شانے اچکاتا چلا گیا۔ کئی لمحے تک وہ یونہی بیٹھی رہی۔ پیر زمین پہ رکھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی تو کراہ نکل گئی۔ چینج کر کے اس نے موچ کا علاج شروع کر دیا۔ سکائی کے بعد آئیوڈیکس لگا کر گرم پٹی باندھی تو کافی سکون ملا۔

اپارٹمنٹ میں ہمیشہ کی طرح سکون تھا۔ وہ بھی شاید اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ لاؤنج کی لائٹ بھی بند ہو چکی

تھی۔ وہ بھی اپنی جگہ پہ لیٹ گئی۔ ملک احتشام کا دوستانہ انداز دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔ عائشے گل کے بعد اس کے اندر ملک احتشام کا گلٹ بھی تھا مگر اس سے مل کر اس کی باتیں سن کر اس کا گلٹ ختم ہوگیا تھا۔ اچانک اسے کسی چیز کے جلنے کا احساس ہوا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی' کہیں گیس لیک نہ ہو رہی ہو۔ چولہا نہ جل رہا ہو۔ وہ اس خیال سے لنگڑاتے ہوئے باہر آئی مگر لاؤنج میں اندھیرا تھا صرف ڈائننگ میز پہ موم بتی جل رہی تھی۔ وہ حیران ہوتی دھیرے دھیرے قریب آئی۔

''لائٹ تو آ چکی تھی پھر موم بتی کس نے جلائی۔''

وہ ڈائننگ میز تک آئی' کیک پہ موم بتی روشن تھی۔ کرسی سامنے ہونے کی وجہ سے اسے پہلے کیک نظر نہیں آ سکا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے المیرا۔'' لکھا دیکھ کر وہ بے حد چونکی۔

وہ تو خود بھولی بیٹھی تھی کہ آج اس کی سالگرہ تھی۔ اس نے نیم اندھیرے ماحول میں وال کلاک کی طرف دیکھا۔ وہاں بارہ بج کر پندرہ منٹ ہو رہے تھے۔ اسے ایک انجانی خوشی ہوئی۔ اس نے عائز عایان کے بند دروازے کو دیکھا جب اتنا کیا تو کیا اسے بلا نہیں سکتا تھا؟ المیرا کے اندر گلہ ہونے لگا۔ چیئر پہ بیٹھ کر اس نے دونوں ہتھیلیاں میز پہ رکھ کر ان پر ٹھوڑی ٹکالی۔ اس کی نظریں بند دروازے پہ لگی ہوئی تھیں۔ کچھ لمحے پہلے وہ کتنا قریب تھا' اس کے لیے کتنا فکرمند تھا۔ ان گزرے لمحوں کا تصور کر کے وہ خود میں سمٹ گئی' گھڑی کی ٹک ٹک جاری تھی۔ اس کی نظروں میں انتظار ٹھہر سا گیا تھا۔ اسے بھی جیسے بند دروازے سے ضد سی ہوگئی تھی۔ بنا پلکیں جھپکے وہ یک ٹک دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پہ آس وامید کے رنگ تھے۔ موم بتی پگھل رہی تھی' ساتھ میں وہ بھی..... پتا نہیں کب انتظار آنکھوں سے بہنے لگا۔ موم بتی بھی اس کی طرح ہمت ہارنے لگی تھی۔ وہ بجھنے سے پہلے ٹمٹا رہی تھی اس کی آس بھی پھڑپھڑانے لگی۔

دفعتاً دروازہ کھلا' ایک قدم دہلیز پہ دوسرا لاؤنج میں تھا۔ اس کی نظر سیدھی دروازے کو تکتی آنسو بہاتی المیرا سے ملی تھی۔ وہ بہت حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے اچانک دیکھ کر سیدھی ہوئی تھی۔ چہرہ موڑ کر اس نے انگلیوں کی پشت سے گال خشک کیے تھے' موم بتی کی روشنی ناپید ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دو قدم آگے آیا۔ فریج کے اوپر سے دوسری موم بتی نکال کر اس نے پہلی موم بتی سے شعلہ ادھار لیا۔

''تمہارا فون میری جیکٹ میں رہ گیا تھا وہی دینے آیا تھا۔'' فون اس کے قریب میز پہ رکھ دیا۔ صاف جتایا گیا تھا' المیرا نے رخ پھیر لیا۔

''تمہاری بھرجائی کنیز نے بہت اصرار کیا تھا۔ اس لیے یہ لے آیا کہ سنا ہے تمہیں کیک کاٹ کر سالگرہ منانے کا بہت شوق ہے۔'' لاؤنج کی لائٹ آن کر کے کیک کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ یہ سب اس نے کنیز کے کہنے پہ کیا ہے۔ وہ کسی خوش فہمی کو دل میں جگہ نہ دے۔ المیرا نے ایک زخمی نگاہ اس پہ ڈالی۔

''آج کے بعد سے میں نے یہ شوق ختم کر دیا ہے۔''

المیرا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُردرد لہجے میں کہا۔ اگلے لمحے اس نے جلتی موم بتی پہ ہتھیلی رکھ کر اسے بجھا دیا۔ عائز عایان تحیر سے اس کے انداز کو دیکھتا اس کی ہتھیلی کو دیکھنے لگا۔ کیک پرے کر کے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور لنگڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہوگئی۔

□.....□.....□

صبح اس سے سامنا ہوا تو وہ نارمل تھی۔ رات کے کسی ناخوشگوار واقعے کا عکس اس کے چہرے پہ نہیں تھا۔ عائز عایان نے اسے دیکھا وہ سنجیدگی سے ناشتا بنا رہی تھی۔ رات کے کپڑوں میں تھی یعنی کالج جانے کا ارادہ نہ تھا۔ پیروں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی شاید اسی باعث چھٹی کر رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر نکلا تو میز پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ عائز نے بیگ اٹھایا اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔ المیرا کئی لمحے کھلے گیٹ کے پٹ کو دیکھتی رہی۔ وہ ناشتا کیے بغیر چلا گیا تھا۔ میز پہ سر رکھ کر اس نے رونا شروع کر دیا۔

جانتی تھی کہ اسے اس کے احساسات' جذبات کی پروا نہیں ہے۔ جو صرف پنچائیت میں سینکڑوں لوگوں کے سامنے ہوا نکاح کے بندھن کو نبھا رہا ہے۔ اس کی ہر ضرورت پوری کر رہا ہے' کھانے پینے' پہننے' آنے' جانے کی سہولت وہ ہر چیز کے بارے میں سوچتا تھا' اگر نہیں سوچتا تو اس کے دل کے بارے میں۔ الیمر انے سختی سے آنکھیں رگڑ کر خود کو سرزنش کی۔

حویلی سے ایک غیر متوقع فیصلہ سننے میں آیا تھا۔ جسے سنتے ہی عائز عایان اس فیصلے کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اگلے ہی روز وہ حویلی میں تھے۔

''بابا سائیں جہاں اس حویلی میں موروثی دشمنی کا خاتمہ ہو چکا ہے وہاں اب زمانہ جہالت سے چلتی رسم کا بھی خاتمہ ہونا چاہیے۔'' چوہدری خداداد قدسیہ بانو اور چوہدری ولی قاسم تینوں اس کی طرف متوجہ تھے۔

''کہنا کیا چاہتا ہے تو؟'' چوہدری ولی قاسم بگڑا۔ وہ اسے نظر انداز کر کے چوہدری خداداد کی طرف متوجہ ہوا۔

''بابا سائیں عورت کوئی بھیڑ بکری نہیں ہے جسے ایک کھونٹے سے دوسرے کھونٹے پہ بار بار منتقل کیا جائے..... میں بھرجائی زرتاشہ اور بھرجائی نرگس کو بھراولی قاسم کے نکاح میں دینے کے سخت خلاف ہوں۔ بھراولی قاسم کی منگ ہے تو پھر دونوں بھرجائی پہ یہ ظلم کیوں؟''

''برسوں سے یہی ہوتا آیا ہے۔'' قدسیہ بانو نے اس کے اختلاف پہ جتایا۔

''تو غلط ہوتا آیا ہے نانی جان۔ آپ خود ایک عورت ہیں' ان کے درد کو محسوس تو کیجیے۔ وہ کتنی ذلت محسوس کرتی ہوں گی پہلے ایک بھائی کے نکاح میں' پھر دوسرے کے..... بھرجائی نرگس تیسری بار اس اذیت سے نہیں گزر پائے گی۔'' چوہدری ولی قاسم بھڑک کر کچھ کہنا چاہ رہا تھا' چوہدری خداداد نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''تو کیا چاہتا ہے؟'' وہ جاننا چاہتے تھے۔

''دونوں بھرجائی کو میکے جانے کی اجازت دے دیں۔ وہاں جا کر وہ جس سے چاہے شادی کر لیں اور اگر نہ جانا چاہیں تو آپ سسر بن کے نہیں باپ بن کر ان کی پسند سے رشتے طے کر کے انہیں رخصت کر دیں۔'' عائز پوراز ور لگا رہا تھا۔

''اور خاندان برادری کیا کہے گی؟'' قدسیہ بانو کو فکر ستانے لگی۔

''رابعہ بھرجائی نے پوری جوانی بیوگی میں گزار دی..... تب خاندان برادری نے انہیں کون سا میڈل دے دیا..... اپنی اولاد ان کی خالی گود میں ڈال دی؟'' اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا..... سب چپ تھے۔ کسی کے پاس جواب نہ تھا۔ چوہدری خداداد پُرسوچ انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

''بابا سائیں میں آپ سے التجا کرتا ہوں مزید ظلم نہ ہونے دیں۔ ایسا نہ ہو کسی بے بس کے آنسو' آہ سے آپ میں اور یہ حویلی غرق ہو جائے۔''

''ٹھیک ہے پتر' تو جیسا چاہتا ہے ویسا ہی ہوگا۔ میں زرتاشہ' نرگس اور رابعہ سے بھی پوچھوں گا۔ رابعہ کے قیمتی سال واپس تو نہیں لا سکتا مگر شاید کچھ ازالہ کر سکوں۔'' چوہدری خداداد نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ پُرسکون ہوا۔ ورنہ جب سے یہ خبر اس نے سنی تھی اسے نرگس اور زرتاشہ کی سنی گفتگو ڈنک مارنے لگی تھی۔ قدسیہ بانو کو بھی بات سمجھ آ گئی تھی۔ چوہدری ولی قاسم کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آ رہا تھا مگر چوہدری خداداد کے فیصلے سے انحراف کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

دروازے کی اوٹ سے ساری گفتگو سنتی رابعہ کے آنسو بہنے لگے تھے مگر لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ عائز عایان باہر نکلا تو رابعہ کو روتے دیکھ کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ اسے دوسرے کمرے میں لے آیا۔ زرتاشہ' نرگس' الیمر ابھی وہی موجود تھیں۔ ان سب نے بھی پوری گفتگو سن لی تھی۔

''مت رو بھرجائی ہو سکے تو ہمیں معاف کر دے' ہم تیرے مجرم ہیں۔'' وہ دوزانوں اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ رابعہ کے بالوں میں چمکتی چاندنی کا اسے آج شدت سے دکھ ہوا تھا اگر آج اس کی اولاد ہوتی تو عائز جتنی تو ضرور

ہوتی۔ اس نے انگوٹھے سے آنکھ کا کونا صاف کیا۔ باقی تینوں کا بھی کم وبیش یہی حال تھا۔

''کاش تجھے میں نے پیدا کیا ہوتا عائز.....'' رابعہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔ وہ مسکرادیا۔

''پیدا کرنے والے سے پالنے والا زیادہ افضل ہوتا ہے۔ تُو نے مجھے پالا ہے بھرجائی میرے لیے تو بی جان سے کم اہمیت نہیں رکھتی۔'' اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس نے عقیدت بھری نظروں سے دیکھتے رابعہ کے ہاتھ آنکھوں سے لگالیے۔

''تو بہت اچھا ہے عائز۔'' زرتاشہ اور نرگس کے چہرے پہ بھی آسودگی تھی۔ نرگس نے دل سے کہا۔

□.....□.....□

المیرا کے امتحان شروع ہوگئے تھے۔ وہ پوری دلجمعی سے پڑھ رہی تھی۔ پیپرز سے فارغ ہوئی تو حویلی میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ چوہدری خداداد دونوں بہوؤں کو بیٹی کی طرح رخصت کررہے تھے۔ نرگس نے اپنے ماموں زاد سے شادی کی خواہش ظاہر کی تھی۔ چوہدری خداداد خود رشتہ لے کر گئے تھے جسے خوشی سے قبول کرلیا گیا تھا کہ نرگس کا ماموں زاد اس سے محبت کرتا تھا اور اس کے لیے آج تک کنوارا رہا تھا۔ زرتاشہ نے فیصلے کا اختیار انہیں دے دیا تھا۔ انہوں نے مناسب رشتہ دیکھ کر زرتاشہ کی بات بھی طے کردی تھی اور اب شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔

کل مایوں کی رسم ہونا تھی۔ حویلی میں تیاریاں چل رہی تھیں۔ ہنستے مسکراتے چہرے آسودہ تھے۔ چوہدری خداداد کو عائز کے فیصلے کی خوب صورتی اور آسودگی نظر آرہی تھی۔ رابعہ نے باقی کی زندگی حویلی میں ہی گزارنے کو ترجیح دی تھی۔ جسے سب نے بخوشی قبول کیا تھا۔ قدسیہ بانو کے بعد ان کے فیصلے کو حویلی میں اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ عائز اور المیرا دو دن پہلے آگئے تھے۔ آتے ہی اس نے رابعہ کے ساتھ مل کر کئی امور انجام دیئے تھے۔ کئی ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ سب سرمئی شام میں حویلی کی چھت پہ چارپائیاں بچھائے بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ یہاں تک کہ کل مایوں کے لیے دلہن بننے والی زرتاشہ اور نرگس بھی بیٹھی تھیں۔ کچھ فاصلے پر چوہدری خداداد، چوہدری ولی قاسم اور عائز باتوں میں مگن تھے، اس شادی کے دو ماہ بعد چوہدری ولی قاسم کی شادی کی بات ہورہی تھی۔ رابعہ، قدسیہ بانو کے سر میں تیل ڈال کر دبا رہی تھیں۔

''سچ رابعہ تو نے کبھی مجھے دھی کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔'' قدسیہ بانو نے کھلے دل سے سراہا۔ یوں بھی وہ خود اچھی فطرت رکھتی تھیں۔ رابعہ مسکرادی، ملازم چائے لے آیا تھا، المیرا اٹھ کر سب کو کپ تھمانے لگی۔

''ادھر بیٹھ جب سے آئی ہے کام میں لگی ہوئی ہے۔'' قدسیہ بانو نے چائے پیش کرتی المیرا سے کپ لے کر سائیڈ پہ رکھا اور اس کا ہاتھ تھام کر پاس بٹھالیا۔

''میں نے ظرف کے ساتھ اپنا دل بھی بڑا کرلیا ہے تیرے لیے۔ حویلی برسوں سے بچوں کی قلقاریاں سننے کو ترس رہی ہے۔ کب بنا رہی ہے مجھے دادی..... تو تُو کہہ رہی تھی دادی بنانے والی ہے مگر مجھے تو کوئی آثار نہیں لگ رہے؟'' قدسیہ بانو اس کے اسمارٹ سراپے کو جانچ رہی تھیں چھت پہ موجود سب ہی ان کی گفتگو کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ المیرا کا سر جھک گیا۔

''آپ نے اپنے بیٹے کی بہت اچھی تربیت کی ہے بی جان۔ آپ کا بیٹا کردار کا کمزور نہیں ہے..... میں نے پنچائت میں جھوٹ کہا تھا، صرف دو خاندانوں کی دشمنی ختم کرنے کے لیے..... مجھے عائشے گل کی موت کا بہت دکھ ہے، میں نے اسے پہلے ہی روز سچ بتادیا تھا کہ چوہدری عائز عایان کی بیوی وہی بنے گی، میں صرف عائز کے نام سے جڑی رہنا چاہتی ہوں، مگر.....'' المیرا چپ ہوگئی۔ سب اپنی اپنی جگہ ایک لمحے کو خاموش رہ گئے تھے۔ اس نے نظر اٹھا کر انگلیاں مروڑتی المیرا کو دیکھا۔

''اس کی موت شاید یوں ہی لکھی ہوئی تھی۔ عائز ہاسپٹل کے لیے زمین دیکھ رہا ہے، تو ڈاکٹر بن کر اس کے نام سے ہاسپٹل چلائے گی، ہم سے جو ہوسکا اس کے

ایصال ثواب کے لیے کرتے رہیں گے لیکن تو مجھے جلدی سے دادی بننے کی خوش خبری سنا۔'' قدسیہ بانو نے اسے ساتھ لگا لیا تو وہ سر جھکا گئی۔ موقع ملتے ہی وہ منظر سے غائب ہوگئی تھی۔

''تو تو واقعی ہیرو نکلا.....'' چوہدری ولی قاسم نے عائز عایان کی پیٹھ تھپتھپائی۔ عائز نے اس کے لہراتے آنچل کو گم ہوتے دیکھا۔

''عائز میں جانتی ہوں تو اور مردوں سے الگ ہے۔ تو عورت کی عزت کرتا ہے' رشتے نبھانا اور ان کا مان رکھنا تیرا وصف ہے تو المیرا کو بھی معاف کردے' اس جھلی نے خود پہ اتنا بڑا داغ لگا لیا۔ صرف تیرے نکاح میں آنے کے لیے..... عورت علی الاعلان اسی مرد کا ساتھ چاہتی ہے جو اسے واقعی مرد لگتا ہو' تو اسے اپنا لے.....'' تنہائی ملتے ہی رابعہ نے اسے سمجھایا۔ دونوں کے بیگانے انداز کو دیکھ کر ہر کوئی جان گیا تھا کہ وہ آج بھی دو الگ الگ کناروں کے ہمسفر ہیں۔ وہ کافی دیر سے حویلی کی چھت پہ پھیلے سناٹے کو محسوس کررہا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

''آپ کی خواہش اپنی جگہ بی جان مگر میں آپ کو کبھی نہیں بتا سکتی کہ آپ کے بیٹے نے مجھ سے ساری زندگی انتقام لینے کا فیصلہ سنایا ہے۔ کہ یہی میرے جھوٹ کی سزا ہے۔'' دریچے سے لگی وہ خود کلامی کررہی تھی۔ عائز کمرے میں آیا تو رخ موڑ کر اس نے آنسو صاف کیے پلٹ کر دریچے سے ہٹنے لگی تو ڈر کے دریچے سے جا لگی۔ اس کے عین سامنے عائز عایان آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سائیڈ سے نکلنا چاہا مگر دائیں بائیں اس کے بازو راستہ روک چکے تھے۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب میں نے کون سی غلطی کردی جو آپ کلاس لینے آ گئے؟'' گلہ آمیز لہجہ تھا اس نے بغور اس کے خفا چہرے کو دیکھا۔ چہرہ موڑے وہ مجبوراً کھڑی تھی یہ اس کے چہرے پہ لکھا تھا۔

''سارا الزام میرے سر ڈال کر تم کب تک معصوم بنتی رہو گی؟'' اس کا اشارہ خود کلامی کی طرف تھا۔ الزام در الزام..... آخر یہ شخص چاہتا کیا تھا۔ المیرا کے آنسو نکل آئے۔

''اگر آپ کو لگتا ہے کہ میں معصوم بننے کی کوشش کرتی ہوں تو آپ کوئی فیصلہ کرلیں..... نکاح میرے کہنے پہ کیا تھا' علیحدگی کا فیصلہ آپ کرلیں۔ میں سارا الزام اپنے سر لے لوں گی' آپ پہ کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا۔'' یہ احساس کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے برداشت کررہا تھا اسے کھلنے لگا۔ وہ اس کے اعصاب پہ مسلط نہیں رہنا چاہتی تھی۔

''بڑی جلدی ہار مان لی' تم تو ساری زندگی میرے نام سے جڑا رہنا چاہتی تھیں۔'' مذاق اڑاتا لہجہ تھا۔ اس کا دل کرلانے لگا۔ وہ سائیڈ سے نکلنے لگی۔ اگلے لمحے بازو سے پکڑ کر جارحانہ انداز میں اسے دوبارہ کھینچ کر دیوار سے لگا دیا اور کڑے تیوروں سے گھورنے لگا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے' تم جب جب جو جو کہو گی میں تمہارے حکم کو مانتا رہوں گا۔'' ایک الزام اور لگ گیا تھا۔ وہ لب کاٹتی آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

''اگر آنسو بہا کر خود کو مظلوم اور مجھے ظالم ثابت کرنا چاہتی ہو تو کرو' مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ استہزائیہ نظروں سے اس کے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔

''ہاں آپ کو واقعی کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ آپ بے حس اور بے درد انسان ہیں۔'' وہ بپھر کر بولنے سے نہ چوکی۔

''پھر کیوں امید رکھتی ہو کہ یہ بے حس بے درد انسان تمہارے جذبات' احساسات کو سمجھے..... تمہارے ساتھ برتھ ڈے سیلیبریٹ کرے۔'' عائز نے اس کے شانے جھنجوڑے۔ وہ افسوس میں گھر گئی۔

''مجھ سے کوئی اچھی توقع مت رکھنا' ساری زندگی تمہیں اسی طرح تڑپنا ہے کیونکہ میں اپنے دشمنوں کو معاف نہیں کرتا۔'' جھٹک کر اس کے شانے چھوڑے تھے۔ جتاتا ہوا لہجہ تھا۔

''میں آپ سے معاف مانگ بھی نہیں رہی۔'' وہ جلد

سے جلد اس کے سامنے سے ہٹنا چاہ رہی تھی' جی بھر کے رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں مانگو۔'' دھونس سے کہا گیا۔ المیرا نے بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا۔ وہ بہت غصے میں لگ رہا تھا۔

''اگر یہ آپ کی ضد ہے تو یونہی سہی۔ آپ کی ضد کبھی پوری نہیں ہوگی۔'' چیلنج کرتا لہجہ تھا۔ وہ کئی ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ اس کا غرور اس کی اکڑ' چہرہ موڑے کھڑی تھی لیکن جواب دینے سے باز نہیں آرہی تھی۔ خود کو بظاہر مضبوط ظاہر کرنے والی کے دل کی حالت کیا تھی یہ اس کے چہرے پہ رقم تھا۔ اسے جیسے اس پہ رحم آ گیا۔ مزید جان جلانے کا ارادہ ترک کردیا۔

''دل تو نہیں چاہ رہا تمہیں تھوڑے سے میں بخشنے کو مگر کیا کروں کہ تمہاری روتی شکل پہ ترس آرہا ہے۔'' المیرا نے غصے سے اسے دیکھا' بڑا نرم گرم تاثر تھا چہرے پہ۔

''اتنا تو جان گیا ہوں کہ دشمن کمزور نہیں ہے' مدمقابل ٹوٹ تو جائے گا مگر جھکے گا نہیں۔'' مسکراتا لہجہ تھا۔ دنیا جہاں کی حیرت اس کی آنکھوں میں آسمائی۔ ٹون ہی بدل گئی تھی کہاں تو تھوڑی دیر پہلے لفظوں سے قہر ڈھا رہا تھا اور اب پھوار برسا رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے تم سے بے حد نفرت کا اظہار کرکے میں نے تمہارے ساتھ کوئی سختی نہیں کی تو کیوں؟'' المیرا اسے ہی دیکھ رہی تھی' جس کے چہرے کے تاثرات یک لخت بدل گئے تھے۔

''تمہاری آواز سن کر تمہاری طرف پہلی بار قدم بڑھاتے اندازہ نہیں تھا کہ پھر کبھی یہ قدم واپس نہیں پلٹ سکیں گے۔'' اس کی آنکھیں مزید کشادہ ہوگئیں۔ وہ ہولے سے مسکرایا۔ آنسو پوروں پہ چنتے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ایک خوف زدہ لڑکی جب میری پشت سے لگی آنسو بہا رہی تھی تب وہ جان نہ پائی کہ وہ شخص بھی اس کے آنسوؤں کے سنگ بہہ گیا تھا۔'' چہرے پہ جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے کرتے اس کی حیران آنکھوں کو محبت سے دیکھا۔

''وہ لڑکی بن کہے میرے گھر کو سنبھالنے لگی' میری جھڑکیاں سننے کے بعد بھی میرے لیے بھوکی رہتی تھی' مجھے وہ عزیز ہوتی جارہی تھی۔ میں اس کے لیے دشمن سے لڑسکتا تھا' مگر اسے اس کے اپنوں سے زبردستی چھین کر حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب وہ گئی تو میرے اپارٹمنٹ سے زندگی کا احساس بھی ساتھ لے گئی۔ ہاں اس کے الزام پہ میری مردانگی بلبلائی تھی۔ اگر میں اس کی اور عائشے گل کی باتیں نہ سن لیتا تو شاید اسے بھی ایک سطحی محبت کی ماری لڑکی سمجھتا..... اس کمزور لڑکی نے بہت بڑے بڑے فیصلے کیے تھے۔ دو خاندانوں کی موروثی دشمنی ختم کرنے کے لیے خود کو داؤ پہ لگایا تھا۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بڑائی کو تسلیم کرلیا تھا۔ اس نے کبھی مجھ سے محبت کا دعویٰ نہیں کیا تھا' ہاں چپکے چپکے میرے زخم پہ مرہم ضرور لگاتی تھی۔'' وہ ہولے ہولے بول رہا تھا' المیرا میں اس کی آنکھوں سے نکلتی شعاعوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے چہرہ موڑ لیا' دیوار سے شولڈر ٹکاتے ہاتھ سینے پہ باندھتے وہ اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔

''اب.....؟'' مسکراتا سوال کیا۔

''کیا؟'' استعجاب نظروں میں آیا تھا مگر اس نے پڑھ لیا۔

''دوستی کے لیے پہل تم کروگی یا میں؟'' کہتے ہی اس نے شیک ہینڈ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ وہ کئی ثانیے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتی رہی۔ پھر اسے دیکھا' وہ ہاتھ بڑھائے منتظر اپنے ہاتھ کی طرف اشارہ کررہا تھا' المیرا نے اپنا ہاتھ بڑھایا مگر اس کا ہاتھ تھامنے سے پہلے اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر اس کا رخ بدلا اور المیرا کی پشت اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

''میں دشمن سے ہاتھ نہیں ملاتا صرف انہیں سزا دیتا ہوں۔'' اس کے کندھے پہ تھوڑی رکھتے شریر لہجے میں کہا۔ المیرا نے اس کے سر سے ہولے سے سر ٹکرایا۔

''میں دشمن کا ہر ستم سہنے کے لیے ساری زندگی تیار

ہوں۔'' اس کی سریلی آواز نے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑا گئی تھی۔

□.....□.....□

ہاسپٹل کا کام آخری مراحل میں تھا۔ المیرا کا ہاؤس جاب مکمل ہوگیا تھا۔ عائز MBA مکمل کرکے اپنا بزنس اور وسیع کرچکا تھا۔ دونوں کی کوششوں سے کئی ڈاکٹرز ہاسپٹل میں خدمت انجام دینے کو تیار ہوچکے تھے۔ گاؤں کی پڑھی لکھی' دردمند دل رکھنے والی لڑکیوں کے لیے نرسنگ کے کورس کا انتظام بھی کروایا گیا۔ کنیز نے بھی ڈگری لے لی تھی۔ اس نے مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی۔

وہ دن بھی آ گیا جب عائشے گل ہاسپٹل کا افتتاح ہوا اور گاؤں کے لوگ شہر کا رخ کرنے سے بچ گئے۔

''عائشے گل کی اہمیت اپنی جگہ تھی لیکن اگر وہ زندہ بھی ہوتی تو یقیناً میں اس سے شادی نہیں کرتا' کیونکہ میں تم دونوں میں عدل نہیں کرسکتا تھا۔ میرا دل تمہاری طرف ہی جھکا رہتا اور اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔''

ہاسپٹل کے مین انٹرنس میں عائشے گل کی بڑی سی تصویر کو دیکھتے عائز عایان نے پوری سچائی سے کہا۔ یہ تصویر المیرا نے لگوائی تھی۔

''عائشے گل نے جانے میں جلدی کردی اگر وہ ہوتی تو میں آپ کو اس سے شادی پہ مجبور کرکے ضرور شادی کرواتی کیونکہ میں آپ دونوں کے بیچ آئی تھی۔'' اسے افسوس ہورہا تھا۔

''ہاں مجھے یقین ہے تم ایسا کرسکتی تھیں' اللہ نے چن چن کے ضدی لڑکیاں ہی میرے نصیب میں لکھی ہیں۔'' المیرا نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پہ سر رکھا۔ اس کی نظریں بھی عائشے گل کو عقیدت مندانہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

کوئی انسان مکمل زندگی نہیں گزارتا۔ کوئی نہ کوئی خلش چبھتی ضرور رہتی ہے اور اسی چبھن کے ساتھ زندگی چلتی رہتی ہے' ان کی بھی چل رہی تھی۔

وہ عائز کے بزنس کی وجہ سے کراچی میں ہی رہتی تھی۔ کوئی اہم کیس ہوتا تو گاؤں آجاتی ورنہ وہاں بہت قابل ڈاکٹرز تھے۔ عائز کا بزنس ترقی کررہا تھا۔ عائز نے بنگلہ لے لیا تھا۔ اس اپارٹمنٹ سے بہت سی یادیں جڑی تھیں وہ کبھی کبھی وہاں جاکر بیتے وقت کو یاد کرتے تھے۔ ان کی زندگی میں رنگ بھرنے سمیرا آ گیا تھا۔ ابھی وہ تین ماہ کا تھا۔ حویلی سے سب آئے ہوئے تھے۔ عقیقہ بہت دھوم دھام سے کرکے کل ہی لوٹے تھے۔ دھوپ تیز ہوگئی تھی۔ المیرا دریچے سے ہٹ گئی کہ اس کا من پسند منظر دھوپ کے آتے ہی غائب ہوگیا تھا۔

اس نے دوسرے من پسند منظر پہ نظریں جمادیں۔ دلیاں ہاتھ بیٹے کے اوپر رکھے عائز کا چہرہ کشن سے چھپا ہوا تھا۔ وہ مسکرا کر اس تک آئی۔

''صبح کب ہوگی آپ دونوں کی.....؟ مجھے ہاسپٹل جانا ہے۔'' کشن تھوڑا سا ہٹا کر اس کے کان کے قریب منہ لے جاکر تھوڑا زور سے بولی۔ وہ قریبی ہاسپٹل میں بھی فرائض انجام دے رہی تھی۔

''ہاں تو جاؤ' روکا کس نے ہے۔ ہم باپ بیٹا ابھی سوئیں گے۔'' کشن کے نیچے سے آواز آئی۔ المیرا نے کشن اٹھا کر اس کے بازو پہ مارا۔ اس سے پہلے کہ وہ جوابی حملہ کرتا وہ بھاگ گئی۔

''دشمنوں کی طرح پیچھے سے وار کرکے بھاگنے کی عادت جائے گی نہیں۔'' عائز نے کشن اسے مارنے کو پھینکا مگر اس نے ہنستے ہوئے کشن کیچ کرلیا۔

''بالکل نہیں.....'' جواب دینا نہ بھولی۔ وہ مسکراتے ہوئے بیٹے کی طرف متوجہ ہوا جو کچی نیند سے بے دار ہونے پہ گلا پھاڑ پھاڑ کر احتجاج کررہا تھا۔